

حُسنِ اورنگِ اراء

عمیرہ احمد

حُسن اور حُسن آراء

”بس میں کہتی ہوں بوا حُسن کا بوجھ سر سے اترے تو میں اور صوفی صاحب بھی جج کو نکلیں۔“

دل شاد نے سروتے سے چھالیہ کترتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر بوا سے کہا جو اُس کے پاس ہی صحن کے تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔

”میں تو اپنی سی کر رہی ہوں دلشاد..... شہر کا ہر اچھا رشتہ لیکر تمہارے گھر آئی..... مگر بس حُسن کی قسمت۔“

بوانے بھی ایک گہرا سانس لیا اور پھر پان منہ میں رکھ لیا۔

”ٹھیک کہا تم نے بوا..... یہ ساری قسمت کی بات ہوتی ہے مگر یہ تم ساتھ والے اکبر میاں کی ماں سے بات کیوں نہیں کرتی۔“

دلشاد نے بالا خراُن سے اپنے دل کی بات کہی۔ ”ارے اکبر میاں کی ماں سے تو پہلے ہی پوچھ چکی ہوں میں۔“ بوانے بے حد ناگواری سے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ ”ایک آفت کی پرکالہ ہے اُس کی ماں..... کہنے لگی ہم ہمایوں میں شادی نہ کریں گے بیٹے کی..... بہو سارا دن اپنی ماں کے گھر ٹھکی رہے گی۔ ہمیں تو بوا دوسرے شہر کا رشتہ دکھاؤ تاکہ بہو مہینوں کے بعد اپنے میکے کا رُخ کرے۔“

بوانے اکبر کی ماں کی نقل اُتارتے ہوئے کہا

”پھر بھی بوا..... تم ایک بار پھر بات کرو..... شکل و صورت اچھی ہے لڑکے کی

..... چال چلن بھی اچھا ہے..... اوپر سے پوری جائیداد کا اکلوتا وارث..... نہ بہن نہ بھائی

یہ رشتہ ہو گیا تو میری خُند تو راج کرے گی راج۔“

دلشاد نے کہا ”تم کہتی ہو تو ایک بار پھر بات کرتی ہوں۔ مگر ایمان سے کہتی ہوں بیٹے کو بوڑھا کر کے دم لے گی یہ عورت۔۔۔۔۔ سو سو نقص نکالتی ہے ہر لڑکی میں۔“
”پر میری خُند کی تو ہمیشہ ہی تعریف کی اُس نے۔“ دلشاد نے بے ساختہ کہا۔
”منہ پر تو تعریفیں ہی کرتی ہے۔۔۔۔۔ اصل چھری تو پیٹھ پیچھے پھیرتی ہے۔۔۔۔۔ پر خیر اب تم نے کہا ہے تو بات تو کرنی ہی پڑے گی۔۔۔۔۔

یہ صوفی صاحب نظر نہیں آ رہے گھر بڑھوانے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے یک دم موضوع بدلا۔

”ہاں نماز پڑھنے لگے ہیں۔ دلشاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔“ اللہ سلامت رکھے صوفی صاحب کو۔۔۔۔۔ لاکھوں میں ایک ہیں۔۔۔۔۔ سر کا تاج بنا کر رکھا ہے انہوں نے جنہیں۔

”بھوانے بے حد فیاضی سے صوفی صاحب کی تعریف کی۔“ بے شک ہوا۔۔۔۔۔ ایسا میاں تو قسمت والی عورتوں کو ملتا ہے۔۔۔۔۔ میں تو خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی۔“
”دلشاد نے بھی بے ساختہ صوفی صاحب کی تعریف کی۔“

بے شک۔۔۔۔۔ بے شک۔۔۔۔۔ ورنہ بیٹا نہ ہو تو میاں تو طعنے دے دے کر مار دیتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ نہ ہو تو دوسری شادی کر لیتے ہیں۔۔۔۔۔ واقعی فرشتہ صفت آدمی ہیں صوفی صاحب۔۔۔۔۔ اے پورے محلے میں ان جیسا آدمی نہیں۔۔۔۔۔ اچھا دلشاد میں چلتی ہوں۔۔۔۔۔ اب۔۔۔۔۔ جلد ہی کوئی اچھی خبر لے کر آؤں گی۔“

”بھوانے بلا آخر پان کی ایک اور گھوری اٹھاتے ہوئے کہا اور سلام کر کے دروازے کی طرف چل پڑی۔

دلشاد ایک گہرا سانس لے کر ایک بار پھر چھالیہ کھڑنے لگی تھی مگر اُس کا ذہن ہوا کی باتوں میں اٹکا ہوا تھا۔ خُند 20 سال کی ہونے کو آئی تھی اور ابھی تک اُس کی کہیں شادی طے نہیں ہو پا رہی تھی۔

یہ دلشاد بیگم اور صوفی صاحب کے لئے بے حد پریشان کن بات تھی۔ خاندان کی ہر لڑکی سولہویں سترھویں سال میں بیاہی جا چکی تھی اور خُند اب خاندان میں واحد لڑکی تھی جس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی۔۔۔۔۔ بظاہر اُس کی شادی نہ ہونے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ خُند خوبصورت تھی۔ سُکھو اور سلیقہ مند تھی پھر صوفی صاحب کی اکلوتی اولاد تھی۔ بے حد حسب نسب والے ماں باپ کی اکلوتی اولاد۔۔۔۔۔ اس کے باوجود اُس کا رشتہ ابھی تک نہیں ہو پا رہا تھا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ اُس کے لئے رشتے ہی نہ آتے ہوں۔۔۔۔۔ اچھے اچھے خاندانوں سے خُند کے لئے رشتے آتے رہے مگر شروع میں دلشاد بیگم اور صوفی صاحب ضرورت سے زیادہ چھان بین کرتے رہے۔

بعد میں یہ کام لڑکے والوں نے کرنا شروع کر دیا۔ 60 اور 70 کی دہائی میں بھی ان جیسے قدامت پرست گھرانوں میں بہت ساری چیزیں قابل اعتراض سمجھی جاتی تھیں۔ کئی گھرانوں کو خُند کے اکلوتے ہونے پر اعتراض تھا کیونکہ انہیں لگتا ماں باپ نے خُند کے ناز و خُرخرے اٹھا کر اُسے بگاڑ دیا ہوگا۔

کچھ گھرانوں کا خیال تھا کہ صوفی صاحب کو بیٹی کو قرآن کی تعلیم کے علاوہ سکول کی تعلیم بھی دینی چاہیے تھی کیونکہ خُند لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ بعض گھرانوں کو صوفی صاحب کے گھرانے کے رکھ رکھاؤ پر اعتراض ہوتا۔ جہاں گھر سے باہر اب بھی عورتیں ٹوپی والا بُرقع پہن کر نکلتی تھیں اور بعض گھرانوں کو دولت مند ہونے کے باوجود اُن کے بے حد سادہ طرز زندگی پر۔۔۔۔۔

زمانہ بدل رہا تھا مگر کم از کم اس کی کوئی جھلک بلند اقبال المعروف صوفی صاحب کے گھر نظر نہیں آتی تھی۔ وہ منڈی میں ایک بڑے آدمی تھے۔ آباؤ اجداد کی کام کرتے آ رہے تھے اور انہوں نے کبھی اس سے ہٹ کر کچھ اور کرنے کا نہیں سوچا تھا۔۔۔۔۔ جو اضافی کام پچھلے کچھ سالوں میں وہ کرنے لگے تھے۔ وہ مسجد میں امامت کا تھا۔ امام صاحب کے نہ ہونے پر اکثر صوفی صاحب کو ہی محلے کی مسجد میں امامت کے لئے کھڑا کر دیا جاتا تھا اور وہ اسے جیسے اپنے لئے اعزاز سمجھتے ہوئے کرتے تھے۔ نیک

شریف اور کھلے دل سے خیرات کرنے والے آدمی تھے محلے میں کوئی ایسا نہیں تھا جسے صوفی صاحب سے کبھی کوئی شکایت پیدا ہوئی ہو۔

کچھ ایسا ہی حال دلشاد بیگم کا تھا۔ صوفی صاحب کی طرح وہ بھی ایک بہت اونچے اور بارسوخ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ صوفی صاحب سے اُن کی شادی سترہ سال کی عمر میں ہوئی تھی اور دونوں میاں بیوی میں کمال کی محبت تھی۔ دلشاد بیگم میں 17 سال کی عمر میں بھی 40 سال کی عمر کی عورتوں والا رکھ رکھاؤ تھا۔ وہ نوکروں سے بھرے پرے گھر سے صوفی صاحب کے گھر میں آئی تھیں جہاں صوفی صاحب اور اُن کے ماں باپ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ صوفی صاحب کے خاندان میں زیادہ ملازم رکھنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ گھر کی بھڑوں کو خود ہی کام کرنا ہوتا تھا اور دلشاد بیگم نے پہلے دن سے ماتھے پر ایک ٹھن لائے بغیر اس گھر کے طریقوں کو یوں اپنا لیا تھا کہ شادی کے پندرہ سال بعد جب وقفے وقفے سے اُن کے ساس سُسر کا انتقال ہوا تو اُن کے ہونٹوں پر دلشاد کے ٹکوں کے ہی قصیدے تھے۔

دلشاد کو اپنے خاندانی ہونے پر جتنا ناز تھا صوفی صاحب کی چیتنی بیوی ہونے پر اُس سے زیادہ فخر..... صوفی صاحب واقعی دلشاد پر جان چھڑکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شادی کے پندرہ سال گزر جانے پر بھی کوئی اولاد نہ ہونے اور ہر ایک کے اصرار حتیٰ کہ دلشاد کے اجازت دے دینے پر بھی انہوں نے دوسری شادی نہیں کی۔ خُسن پندرہ سال کے بعد اُن کے ہاں پیدا ہوئی تھی اور خُسن کی پیدائش کے بعد دلشاد کے ہاں دوبارہ کبھی اولاد نہیں ہوئی۔ صوفی صاحب نے شادی کے 35 سال میں دلشاد کو کبھی ایک بار بھی یہ چیز بتائی نہیں اور بدلے میں دلشاد نے بھی صوفی صاحب کی جی جان سے خدمت کی۔ صوفی صاحب نے اگر دن کو رات کہا تو دلشاد کے لئے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ اُسے رات نہ کہتی۔ اپنے خاندان کی عورتوں کی طرح وہ اطاعت، فرمانبرداری اور رکھ رکھاؤ میں اپنی مثال آپ تھی..... اور اس بات کو ماننے اور سراہنے والے بچے، سسرال اور محلے میں دلشاد کو بہت لوگ ملے..... یہی سارے گن دلشاد نے خُسن کو بھی دیئے تھے اور

اسے اس بات پر بڑا ناز تھا کہ اُس کی بیٹی جیسی خاندانی لڑکی اب کہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی تھی۔

اس کے باوجود پریشانی یہ تھی کہ خُسن ابھی تک ماں باپ کے گھر بیٹھی تھی اور خُسن کی پریشانی وہ واحد غم تھا جو ان دونوں کو ان دنوں لاحق تھا۔ خُسن خود بھی ان دنوں بے حد اُداس اور چپ رہنے لگی تھی اور اُس کی یہ حالت دلشاد اور صوفی صاحب کو مزید فکر مند کرتی تھی۔..... وہ اُن کی لاڈلی اکلوتی بیٹی تھی آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ خُسن کو کوئی کی ہوئی اُس کی کوئی فرمائش پوری نہ ہوئی ہو..... مگر اب..... اب جو کچھ ہو رہا تھا اُس پر نہ دلشاد بیگم کا اختیار تھا نہ صوفی کا..... کوشش اور دُعا کے علاوہ وہ دونوں کچھ نہیں کر سکتے تھے اور یہ کام وہ دونوں سالوں سے کرتے آ رہے تھے۔

”تمہارے ابا ابھی تک نہیں آئے..... اللہ خیر کرے۔“ دلشاد نے بے حد بے تابی سے صحن میں ٹھیلے ہوئے بے حد پریشانی سے خُسن سے بولی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی کمرے سے نکلی تھی۔ ”اماں نماز پڑھنے گئے ہیں مسجد میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔“

خُسن نے قدموں سے لاپرواہی سے ماں کو تسلی دی۔ ”اتنی دیر تو کبھی نہیں ہوئی۔ دلشاد کی بے تابی میں کمی نہیں آئی۔“

”مولوی صاحب کے پاس بیٹھ گئے ہوں گے آپ جانتے تو ہیں ابا کی عادت.....“

”پھر بھی اتنی دیر تو کبھی نہیں ہوتی۔“

اس سے پہلے کہ دلشاد کچھ اور کہتی صحن کے بیرونی دروازے پر بے حد شناسا دستک ہوئی۔

”یہ لیس آ گئے ابا..... میں کہہ رہی تھی تاکہ آپ خواجہ غلام کر رہی ہیں۔“

خُسن نے صحن کے نکلے سے صراحی کو بھر کر اندر برآمدے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ”اس عمر میں اسی طرح فکر ہوتی ہے..... تم جا کر کھانا کھاؤ۔“

دلشاد نے مسکرا کر دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

”آج تو بہت دیر لگا دی آپ نے میں پریشان ہو گئی تھی کہاں رہ۔۔۔۔۔“
دروازہ کھولتے ہوئے دلشاد نے کہنا شروع کیا اور پھر اُس کا جملہ اُس کے منہ میں ہی رہ گیا۔ صوفی صاحب کے عقب میں ایک برقعہ پوش لڑکی کھڑی تھی۔

”آؤ اندر آ جاؤ خُسن آراء۔ صوفی صاحب نے دلشاد سے نظریں چراتے ہوئے اُس لڑکی سے کہا۔ برآمدے کی طرف صراحتی لے جاتی ہوئی خُسن نے پلٹ کر باپ کو دیکھا اور قدرے حیرانی کے عالم میں بڑک گئی۔ دلشاد نے بھی بے حد حیرانی سے باری باری صوفی صاحب اور اُس لڑکی کو دیکھا جو اپنے چہرے کو نقاب میں چھپائے بے حد سلیقے سے انہیں آداب کہہ رہی تھی۔ دلشاد نے اُس کے انداز اور مہندی کے نقش و نگار سے بچے اُس کے خوبصورت ہاتھوں کو دیکھا پھر کچھ نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں آداب کہتے ہوئے اُس نے صوفی صاحب کو دیکھا جو اب دروازہ بند کر رہے تھے۔ خُسن اسی طرح دور برآمدے میں صراحتی لے دلچسپی سے اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھی۔

”خُسن آراء یہ دلشاد ہے اور دلشاد یہ خُسن آراء ہے۔ صوفی صاحب نے مدھم آواز میں اُن دونوں کو ایک دوسرے سے جیسے متعارف کروایا۔“
”میں نے پہچانا نہیں۔“

دلشاد نے مسکرا کر قدرے اُلجھے انداز میں خُسن آراء کو دیکھا۔

”یہ میری دوسری بیوی ہے۔“ صوفی صاحب نے قدرے جھجک کر دور برآمدے میں کھڑی خُسن کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ مگر وہ آواز کسی کے لئے بھی اتنی مدھم نہیں تھی کہ سنی نہ جاسکے۔ خُسن کے ہاتھ سے صراحتی چھوٹ کر فرش پر جاگری۔ خُسن آراء چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہوئی۔ جبکہ دلشاد دونوں ہاتھ سینے پر رکھے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ صوفی صاحب کو دیکھ رہی تھی۔ کیا بے چینی سی بے چینی تھی۔۔۔۔۔

دوسری بیوی؟

”خُسن انہیں اوپری منزل پر لے جاؤ۔۔۔۔۔ مہمان خانے میں۔۔۔۔۔ کل ایک کمرہ

ٹھیک کر دینا ان کے لئے۔ صوفی صاحب نے دلشاد سے نظریں چراتے ہوئے دور کھڑی خُسن سے کہا۔ جس نے بے حد شکایتی نظروں سے باپ کو دیکھا اور پھر ایک لفظ کہے بغیر اندر چل پڑی۔

”جائیں خُسن آراء۔“ صوفی صاحب نے اُس سے کہا۔ دلشاد ابھی بھی پتھر کے مجسمے کی طرح وہیں دروازے پر کھڑی تھی۔ صوفی صاحب کا 35 سال میں تراشا جانے والا مُت دو سینکڑوں میں زمین پر گر کر پکنا چور ہو گیا تھا۔

خُسن آراء نے ایک بار پھر دلشاد کو دیکھا اور پھر اندر چلی گئی۔ ”کھانا لگاؤ۔“
صوفی صاحب نے دلشاد سے نظریں چراتے ہوئے کہا اور خود بھی سر سے ٹوپی اتارتے ہوئے اندر چلے گئے۔

دلشاد وہیں کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ ”دوسری بیوی۔۔۔۔۔ خُسن آراء۔۔۔۔۔“
اُس کا ذہن ابھی تک ان الفاظ کی گونج سے لرز رہا تھا۔

آخر یہ کیسے ممکن تھا کہ یوں اچانک ایک رات صوفی صاحب ایک دوسری عورت کو بیوی بنا کر گھر لے آئیں۔۔۔۔۔ اُن سے بات کرتے۔ اُن سے پوچھتے، اُن کو بتاتے۔۔۔۔۔ یا اور کچھ نہیں تو اپنی کسی حرکت سے دلشاد کو طہ کرنے پر ہی مجبور کر دیتے۔۔۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا۔۔۔۔۔ وہ سیدھے سیدھے ایک بیوی لے آئے تھے۔ ایک بیوی۔۔۔۔۔ دلشاد کی آنکھوں میں سیلاب کی طرح پانی اُٹھا تھا۔ اُس گھر میں 35 سال کی شادی شدہ زندگی میں پہلی بار صوفی صاحب نے انہیں زلایا تھا۔

”یہ ہے مہمان خانہ۔“ خُسن نے بے حد خشمی تیوروں کے ساتھ اپنے پیچھے کمرے میں داخل ہوتی خُسن آراء سے کہا۔ جس نے یک دم اپنے چہرے سے نقاب ہٹا لیا۔ خُسن کو ایک جھٹکا لگا۔ وہ بے حد حسین نین و نقوش کی تقریباً اُس کی ہم عمر ایک لڑکی تھی۔ باپ سے گلہ کچھ اور بڑھ گیا۔

”ایک گلاس پانی ملے گا؟“ خُسن آراء نے بے حد نرمی آواز میں مسکراتے ہوئے خُسن کو مخاطب کیا۔ وہ کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ

پانی کا گلاس لٹکر کمرے میں داخل ہوئی تو اُسے ایک جھٹکا اور لگا تھا۔ خُسن آراء اب اپنا برقع اتار کر پلنگ پر رکھ چکی تھی وہ بے حد چست قمیض اور چوڑی دار پاجامے میں لمبوس تھی۔ "اور ابا نے آج تک مجھے کبھی چوڑی دار پاجامہ پہننے نہیں دیا۔" خُسن نے بے حد سرکشی سے سوچا۔

"پانی کا گلاس اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے خُسن نے خُسن آراء کو ایک بار پھر بے حد تنقیدی نظروں سے سر سے پاؤں تک دیکھا۔" آخر ابا کو ایسی خوبصورت لڑکی کہاں سے ملی ہوگی؟

"شکریہ..... مجھے کپڑوں کا ایک جوڑا مل سکتا ہے۔ خُسن آراء نے ایک بار پھر پانی کا خالی گلاس اُسے واپس تھماتے ہوئے اُس کے خیالات کے تسلسل کو توڑ دیا۔

"جو بھی چاہیے ایک دفعہ کہیے..... میں ملازمہ نہیں ہوں کہ بار بار پتھر کا ہتی پھروں۔" اس دفعہ خُسن نے بے حد تکی سے اُس سے کہا۔

"بس اور کچھ نہیں چاہیے..... کپڑوں کا ایک جوڑا۔ خُسن آراء نے بے حد حقل سے کہا۔ خُسن اُسے گھورتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

خُسن آراء نے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا پھر کمرے کی اگلی کھڑکی کو کھول کر باہر جھانکنے لگی۔

تجھی خُسن دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی۔ ہاتھ میں پکڑا جوڑا پلنگ پر پھیلتے ہوئے وہ کھڑکی کے پاس آئی اور بے حد تکی سے کھڑکی کے پٹ بند کرتے ہوئے بولی۔

"ہمارے گھر کی عورتیں کھڑکیوں میں کھڑکی نہیں ہوتیں..... وہ بھی رات کے اس وقت۔

خُسن آراء اُس کی بات پر یک دم سرخ چہرے کے ساتھ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔

"مجھے پتہ نہیں تھا۔" خُسن نے اُس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے اُسے بے حد عجیب نظروں سے دیکھا پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اماں یہ ابا نے کیا کیا؟

"دلشاد نے بے اختیار اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کیے وہ تب سے صحن

کے تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اندر جانے کی ہمت ہی نہیں ہو پا رہی تھی..... صوفی صاحب کا اور اُن سے بھی بڑھ کر اُس عورت کا دوبارہ سامنا.....

"دستر خوان لگا یا تم نے۔ انہوں نے خُسن کے سوال کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے بے حد مستحکم آواز میں خُسن سے کہا جو اُن کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اماں آپ نے اُس کو دیکھا نہیں..... اُس کی عمر میرے جتنی ہوگی....."

دلشاد نے چونک کر خُسن کو دیکھا۔ اُن کے دل پر جیسے ایک اور گھونرہ پڑا۔

"آخر ابا کو اس عمر میں ہو کیا گیا۔ فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے

..... جا کر دستر خوان لگاؤ تمہارے ابا کو بھوک لگ رہی ہوگی۔"

خُسن نے حیران ہو کر ماں کو دیکھا۔ یہ وہ رد عمل نہیں تھا جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔ دلشاد اُنھہ کر اندر چلی گئی۔ وہ جانتی تھی وہ وہاں کھڑی رہے گی تو خُسن کے سوال و جواب بھی جاری رہیں گے اور جو کچھ بھی تھا وہ بہر حال خُسن کو اس معاملے میں دخل انداز نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

خُسن نے اتنی آسانی سے اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ باورچی خانے میں دلشاد کے پیچھے آئی۔

"آپ ابا سے بات کریں۔"

"کیا بات کروں؟"

دلشاد نے بے حد سپاٹ انداز میں چپاٹیاں بنانے کے لئے توار کھتے ہوئے کہا۔

"اُن سے پوچھیں انہوں نے اس عمر میں کیا سوچ کر شادی....."

لیکن دلشاد نے سختی سے خُسن کی بات کاٹ دی۔

"یہ میری اور تمہارے ابا کی بات ہے اور مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے..... سالن گرم کرو۔" خُسن نم آنکھوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے سالن کی ہنڈیا دوسرے چولہے پر چڑھانے لگی۔

اُس رات پہلی بار دلشاد نے کئی چپاٹیاں بنائیں۔ کئی جلائیں..... خُسن کھانے

کے برتن اندر دسترخوان پر لے جاتی رہی اور یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔

ماں کو ساری عمر ایک خاندانی عورت کی طرح اُس نے اُسی رکھ رکھاؤ کا مظاہرہ کرتے دیکھا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر واویلا مچا دینا یہ خاندانی عورتوں کا طریقہ نہیں تھا اور دلشاد بیگم بھی اس وقت اُسی رکھ رکھاؤ کا ثبوت دے رہی تھیں۔

”اب آپ آ جائیں برتن لگا دیئے میں نے۔“

خُسن نے چپاتیوں کی پیگنیر اندر لے جاتے ہوئے اس بار دلشاد سے کہا۔ دلشاد کا جی چاہا کہے۔ اُس کی تو ساری عمر کے لئے بھوک ختم ہو گئی آج کے بعد سے ”تم چلو میں آتی ہوں۔“ اُس نے خُسن سے کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

جس وقت وہ کھانے کے کمرے میں داخل ہوئی صوفی صاحب بھی تقریباً اُسی وقت اندر آئے۔ دسترخوان پر ایک نظر ڈالتے ہی انہوں نے قدمے خُسن کے انداز میں خُسن سے کہا۔

”خُسن آراء کے لئے برتن رکھنا بھول گئی خُسن۔ یاد رکھو۔۔۔۔۔ اب اس کمرے میں چار لوگ رہتے ہیں۔“

خُسن نے باپ کی جھڑکی پر ایک نظر دلشاد کو دیکھا۔ جو سپاٹ چہرے کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ رہی تھی۔

”جی۔“

پھر اُس نے مدھم آواز میں باپ سے کہا اور خُسن آراء کے لئے بھی برتن رکھنے لگی۔

”جاؤ چھوٹی امی کو نکالو۔“

دلشاد کے دل پر جیسے کسی نے آرا چلایا تھا۔ کچھ یہی حال خُسن کا ہوا تھا صوفی صاحب حد کر رہے تھے۔ مگر کے بنوارے کے ساتھ ساتھ اگلوٹی اولاد کے ساتھ رشتے کا بھی بنوارہ کر رہے تھے۔

خُسن نے ہونٹ کاٹتے ہوئے باپ کو دیکھا جو دسترخوان پر بیٹھ رہے تھے اور

پھر اُٹھ کر خُسن آراء کو بلانے کے لئے چلی گئی۔

خُسن آراء اُس کے کپڑے پہنے ہنگ پر نیم دراز تھی۔ ”ابا کھانے کے لئے بلا رہے ہیں۔“ خُسن نے بلند آواز میں بے حد بے زاری سے اعلان کیا۔ خُسن آراء چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہوئی۔ پھر اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے لاپرواہی سے دوپٹہ گلے میں ڈالا اور اس کے ساتھ چلنے لگی۔

خُسن کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ ”ابا کے سامنے اس طرح جائیں گی؟“

اُس کا اشارہ جس طرف تھا خُسن آراء سمجھ گئی تھی قدرے تادم ہو کر اُس نے جیسے دوپٹہ سر پر نکالنے کی کوشش کی اور پھر خُسن سے کہا۔

”تمہارے کپڑے ٹھیک سے سلے نہیں۔۔۔۔۔ بہت زیادہ کھلے ہیں۔“

”ہمارے گھر میں عورتیں ایسے ہی کپڑے پہنتی ہیں۔۔۔۔۔ آپ کے اپنے کپڑے بہت تنگ ہیں یا پھر چھوٹے ہو گئے ہیں آپ کو۔“

خُسن نے اُس پر جملہ کسا اور پھر خُسن آراء کا رد عمل دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔

خُسن آراء چند لمبے کھڑی کی کھڑی رہ گئی پھر جیسے اُس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آئی اور وہ باہر نکل آئی۔ جس وقت وہ کھانے کے کمرے میں پہنچی۔ دلشاد اور خُسن کھانا کھا رہی تھیں جبکہ صوفی صاحب اُس کا انتظار کر رہے تھے۔

”آؤ۔۔۔۔۔ آؤ خُسن آراء۔۔۔۔۔ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔“

صوفی صاحب نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہاں بیٹھے سب لوگ خُسن آراء کے منتظر تھے۔ خُسن نے ایک بار پھر بڑی ناراضگی سے دلشاد کو دیکھا جو بظاہر کھانے کی طرف متوجہ تھی مگر خُسن آراء کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس پر پڑنے والی ایک نظری گویا اُس کے دل کا خون کر گئی تھی۔ وہ واقعی خُسن کی عمر کی تھی اور بلا کی حسین تھی۔ صوفی صاحب کے منت کے کچھ اور نکلے ہو گئے تھے۔

صوفی صاحب نے خُسن آراء کو کھانا نکال کر دیا تو دلشاد کا رنج اور بڑھا۔ یہ کام صوفی صاحب پہلے صرف اُس کے اور خُسن کے لئے کرتے تھے آج ان دونوں نے

خود کھانا لے لیا تھا اور صوفی صاحب ایک دوسری عورت پر یہ نوازش کر رہے تھے۔

کھانا کھاتے کھاتے صوفی صاحب کو ہنگامی آئی۔ اس سے پہلے کہ دلشاد یا خُسن کچھ کرتی۔ خُسن آراء نے برق رفتاری سے پانی کا گلاس اٹھا کر صوفی صاحب کو دیا اور بسم اللہ کہتے ہوئے اُن کی پشت کو تھپکا۔ صوفی صاحب نے قدرے نفل ہوتے ہوئے پانی پیتے ہوئے چور نظروں سے دلشاد اور خُسن کو دیکھا جو یوں ظاہر کر رہی تھیں جیسے وہ یہ سب کچھ نہیں دیکھ رہی تھیں۔

”اور پانی دوں صوفی صاحب۔“ خُسن آراء نے بڑے انداز سے صوفی صاحب سے کہا۔ دلشاد اور خُسن نے بے اختیار نظریں اٹھا کر خُسن آراء کو دیکھا مگر وہ مکمل طور پر صوفی صاحب کی طرف متوجہ تھی۔

”نہیں تم کھانا کھاؤ۔“ صوفی صاحب نے اُسے نرمی سے منع کیا۔ خُسن آراء نے یک دم ایک لقمہ توڑا اور صوفی صاحب کے منہ کے سامنے کر دیا۔ دلشاد اور خُسن کے ساتھ ساتھ اس بار صوفی صاحب بھی ہنگامی رہ گئے تھے۔ اس بار دلشاد برداشت نہیں کر سکی تھی۔ اپنی پلیٹ کو ایک طرف کرتے ہوئے وہ تیزی سے دسترخوان سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ خُسن نے بھی یہی کیا۔ خُسن آراء چونک کر اُن دونوں کی طرف متوجہ ہوئی پھر اُس نے کچھ نام ہو کر وہ لقمہ نیچے پلیٹ میں رکھ دیا۔

”کل خُسن آراء کے لئے گھر کا ایک کمرہ ٹھیک کروا دینا۔۔۔۔۔ اپنے ساتھ بازار لے جا کر اُسے کچھ کپڑے اور ضرورت کا دوسرا سامان بھی خرید دینا۔“

صوفی کھانے کے بعد بہت جلد ہی اندر اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔ انہوں نے دلشاد سے کھانا چھوڑنے کی وجہ پوچھنے کے بجائے الماری کھول کر اپنے کپڑے نکالنے ہوئے اُسے کچھ ہدایات دیں۔

”کیوں؟ میں اُس کی ملازمہ ہوں؟“

دلشاد یک دم ہمزک اٹھی۔

”میں نے ایسا کب کہا؟“

صوفی صاحب نے حیران ہوتے ہوئے اُسے دیکھا۔ ”اگر آپ اُسے بیاہ کر گھر لا سکتے ہیں تو بازار جا کر خریداری بھی کروا سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے میں کروا دوں گا۔“

صوفی صاحب نے جیسے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔ وہ الماری سے ایک بار پھر اپنے کپڑے ڈھونڈنے لگے۔ دلشاد کچھ دیر خاموشی سے اُن سے کسی بات کی توقع کرتی رہی۔ پھر اُس نے بے حد رنج سے صوفی صاحب سے کہا۔

”میری خدمت میں ایسی کیا کی رہ گئی خُسن کے ابا کہ آپ نے اس بڑھاپے میں میرے سر پر سوکن لانا بھائی؟“

”ایسی باتیں مت کرو دلشاد۔۔۔۔۔ میں نے کب کہا کہ تمہاری خدمت میں کوئی کی رہ گئی تھی۔ میرا اور خُسن آراء کا جوڑ بس قسمت میں تھا اس لئے وہ اس گھر میں آ گئی۔“

صوفی صاحب نے ہنگامی پر دلشاد کے پاس آ کر بیٹھے ہوئے کہا۔

”آپ ”عشا“ پڑھنے گئے اور میرے لئے ”سوکن“ لے کر آ گئے۔“

دلشاد نے جیسے تڑپ کر کہا۔

”تم خود ہی تو کہا کرتی تھیں کہ میں دوسری شادی کر لوں۔۔۔۔۔ کتنا اصرار کیا تھا تم نے۔۔۔۔۔ یاد ہے تمہیں؟“

”کئی سال پہلے کی بات ہے وہ اور تب تو آپ نے میری بات مان کر نہ کی اور اب۔۔۔۔۔“

صوفی صاحب نے دلشاد کی بات کاٹی۔

”تب نہ سنی اب سنی مگر بات تو مان لی نا میں نے تمہاری۔“

”شادی ہی کرنا تھی تو کسی بڑی عمر کی عورت سے کرتے اپنی بیٹی کی عمر کی لڑکی کو بیاہ لائے۔۔۔۔۔ مٹھے والوں کو پتہ چلے گا تو کیا کہیں گے وہ؟“

”کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔۔۔ چار دن باتیں کریں گے پھر خاموش ہو جائیں گی۔“

صوفی صاحب کے پاس جیسے ہر اعتراض کا جواب تھا۔

”پر اُسے لائے کہاں سے آپ؟..... کس خاندان کی ہے؟“

دشاد کو کچھ میں نہیں آیا کہ وہ اُن سے اور کیا کہے۔

”یہ سوال غیر ضروری ہیں..... وہ اس گھر میں آگئی اب یہ اُس کا گھر اور ہم

سب اُس کا خاندان..... باقی سب کچھ بھول جاؤ۔“

اس بار صوفی صاحب کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

”بھولوں تو جب اُس کے بارے میں کچھ پتہ چلے..... آپ تو اس طرح

دیوانے ہوئے بیٹھے ہیں اُس کے کہ اُس کے بارے میں زبان کھول کر نہیں دے رہے۔“

دشاد کو اُن کا لہجہ چھٹا اور صوفی صاحب کو اُن کا جملہ۔

”مجھ سے جو کہنا ہے کہہ لو لیکن حسن آراء سے اس طرح کے سوال جواب

کرنے مہت بیٹھنا..... اس گھر میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں چاہیے مجھے..... وہ تمہاری عزت

کرے گی اور تم اُسے چھوٹی بہنوں کی طرح رکھنا..... دروازہ بند کر لو.....“

صوفی صاحب اُنھ کو کمرے سے چلے گئے۔ دشاد بے اختیار اُن کے پیچھے

کمرے کے دروازے تک گئی..... چند گھنٹوں میں وہ ایک معزول بادشاہ کی حیثیت

اختیار کر چکی تھیں۔..... چند گھنٹوں میں 35 سال کا ساتھی بدل گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ

بند کرنے کی بجائے وہ واپس اپنے پلنگ پر آ کر بیٹھ گئیں اور دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر بے

اختیار پھوٹ پھوٹ کر روئے لگیں۔ وہ خاندانی عورت تھیں صوفی صاحب سے یہ کیسے

کہتیں کہ اُنھیں اُن سے شدید محبت تھی۔..... 35 سال پر محیط محبت اور یہ مگر ہاتھ سے

جانے کا ڈکھ نہیں تھا یہ صوفی صاحب کے دل میں کسی اور کے آ جانے کا ڈکھ تھا جو انھیں

چہکوں بہکوں ٹلا رہا تھا۔

اگلے دن کا آغاز بے حد خاموشی سے ہوا تھا۔ صوفی صاحب کو ہمیشہ کی طرح

دشاد بیگم نے ہی ناشتہ تیار کر کے دیا۔ صوفی صاحب دشاد کی سرخ سوچی ہوئی آنکھوں

سے نظریں چراتے ہوئے اکیلے ناشتہ کرتے رہے۔ پھر ناشتہ ختم کرنے کے بعد انہوں

نے اُنھ کو چاتے ہوئے واحد جملہ کہا۔

”حسن آراء کو ناشتے کے بارے میں پوچھ لینا..... نئی آئی ہے..... ابھی اُسے

جھک ہوگی۔“ دشاد کو لگا جیسے وہ اُسے ایک بار پھر کوڑا مار کر گئے تھے وہ اُن کے سامنے

بھوکی بیٹھی رہی تھی۔ انہوں نے ایک بار بھی اُس سے ناشتے کے بارے میں نہیں پوچھا

اور اُس نئی نویلی دلہن کا اُن کو اتنا خیال تھا کہ جاتے ہوئے بھی اُسی کے بارے میں تاکید

کر رہے ہے۔

اُس کا دل چاہا کہ وہ اُنھیں کہے کہ وہ ناشتے کی بجائے اُسے زہر دینے میں

زیادہ دلچسپی رکھتی تھی۔

اُسے ناشتہ یا زہر دونوں میں سے کچھ بھی دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

حسن آراء دن ڈھلے سو کر اُٹھی تھی اور جس وقت وہ منہ دھونے کے لئے صحن میں آئی اُس

وقت دشاد کے پاس محلے کی ایک عورت آ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ دشاد حتی المقدور خوش اخلاقی

کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی اندرونی کیفیات کو اُس عورت سے چھپا رہی تھی۔ اُسے توقع

بھی نہیں تھی کہ حسن آراء یوں اچانک باہر چلی آئے گی۔

حسن آراء اگلے میں دوپٹہ لٹکائے اسی طرح صلی ہوئے کپڑوں میں بنائیاں

لٹی ہوئی باہر نکل آئی۔ وہ دشاد اور صحن میں بیٹھی دوسری عورت کو دیکھ کر چوکی تھی اور خود وہ

عورت بھی اُسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

”آداب۔ حسن آراء نے سید حمام کی طرف جانے کے بجائے پہلے آ کر

مسکراتے ہوئے دلشاد اور اُس عورت کو آداب کیا پھر وہ حمام کی طرف چلی گئی۔

”ارے یہ کون ہے؟ اس عورت نے تجسّس آمیز انداز میں کہا“

دلشاد نے حمام کی ٹونٹی کھولتی ہوئی حسن آراء کو دیکھا اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”صوفی صاحب کی دوسری بیوی“

وہ عورت بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسی۔

”ارے مذاق مت کر دلشاد..... سچ بتا کون ہے یہ؟“

”میں مذاق نہیں کر رہی..... صوفی صاحب کل رات ہی نکاح کر کے لائے

ہیں اسے۔“

وہ عورت بے یقینی سے اُسے اور پھر دور منہ صوفی حسن آراء کو دیکھتی رہی۔

”تو سچ کہہ رہی ہے دلشاد؟ اُسے جیسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔“

”ہاں“

”دلشاد نے رنجیدگی سے کہا“ اُسے پتہ تھا..... اب چند منٹوں میں پورے محلے

کی عورتیں ایک ایک کر کے اُس کے گھر آنے والی تھیں۔“

”میرے خدا..... یہ صوفی صاحب نے کیا کیا؟ اس عمر میں اتنی کم عمر لڑکی

سے شادی کر لی۔“

”چھوڑو خالہ..... اگر لڑکی کو ہی عمر کی پروا نہ تھی تو مرد کا ہے کو سوچنے کا۔“

”اور ذرا اس لڑکی کے طور طریقے تو دیکھو..... دوپہر ہونے کو ہے اور اب سو

کر اٹھی ہے..... نہ سر پر دوپٹہ..... سر چھاڑ منہ بھاڑ آ کر آداب کرنے لگی۔“

خالہ اب حسن آراء کو دیکھتے ہوئے منہ بھر کر اُس کی برائیاں کرنے لگیں مگر

ساتھ ساتھ اُن کی نظریں حسن آراء کے چہرے سے ہٹ بھی نہیں رہی تھیں۔

”صوفی صاحب کی دوسری بیوی ہے خوبصورت“..... اُس نے دل میں سوچا تھا۔



”آپ نے ابا سے پوچھا کہ اس طرح دوسری بیوی کی کیا ضرورت آن پڑی

تھی انہیں؟“

دلشاد باورچی خانے میں کھانا بنا رہی تھیں جب خسہ ایک بار پھر اُن کے پاس

چلی آئی تھی۔

”مردوں سے ایسی باتیں نہیں پوچھی جاتیں۔“

”کیوں نہیں پوچھی جاتیں؟“

خسہ کا انداز بے حد عجیب تھا۔

”یہ خاندانی عورتوں کا طریقہ نہیں ہوتا۔“

”چاہے خاندانی مرد جو ”مرضی“ کرتے رہیں۔“

”تمہارے ابا نے ”جو مرضی“ نہیں کیا شادی کی ہے..... اللہ نے اجازت دی

ہے انہیں پھر میں اور تم روکنے والے کون ہوتے ہیں انہیں۔“ دلشاد نے بے حد سرد انداز

میں اُسے سمجھایا۔

”آپ کے دل کو کچھ نہیں ہوتا اماں جب آپ انہیں اور ابا کو ساتھ دیکھتی

ہیں۔ خسہ نے جیسے گلہ کیا۔“ ”سبزی بناؤ..... کھانے میں دیر ہو رہی ہے۔“

دلشاد نے تیزی سے موضوع بدلا۔

وہ خسہ سے کیا کہتی کہ دل کو جو کچھ ہو رہا تھا اُسے خسہ نہیں سمجھ سکتی تھی۔ صرف

دلشاد بیگم کی ریاست نہیں چھینی تھی بلکہ اُن کے دل کا خون کر دیا تھا۔ صوفی صاحب نے

احتماد اہواز بھرم لحاظ..... سب کچھ ختم ہو گیا تھا ایک ہی رات میں۔

صوفی صاحب ”ایسے ویسے“ مرد ہوتے تو دلشاد کو اتنی شکایت ہوتی نہ ایسا دھچک

پکھتا..... سارا مسئلہ تو یہ تھا کہ صوفی صاحب ”ایسے ویسے“ آدمی نہیں تھے..... اور مسئلہ یہ

بھی تھا کہ دلشاد کو اندھا تھا اپنے شوہر پر۔۔۔ اور مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ 24 گھنٹے بیٹھے ہر آئے گئے کے آگے صوفی صاحب کی شرافت کا کلہ پڑھتی تھیں۔۔۔ اور اب ایک ”دوسری بیوی“ کے آجانے سے یک دم دلشاد کو لگا تھا جیسے 35 سال صوفی صاحب بس شرافت کا لبادہ اوڑھ کر اُن کو دھوکہ دیتے رہے۔۔۔ ورنہ پتہ نہیں وہ گھر سے باہر کیا کرتے رہے تھے۔۔۔ پتہ نہیں ان کے علاوہ کتنی عورتیں اُن کی زندگی میں آتی جاتی رہی تھیں۔۔۔ اور پتہ نہیں خُسن آراء اُن کی زندگی میں ”کب“ سے تھی جسے ایک دن یوں دھڑلے سے وہ اپنے گھر میں لے آئے۔

”کوئی بھدی بوجھی“ کم صورت، بداخلاق عورت صوفی صاحب کی دوسری بیوی بن کر آتی تو دلشاد کو اتنا ملال اور قلق نہ ہوتا۔ پرخُسن آراء جیسی حسین اور کم عمر لڑکی کو جب وہ صوفی صاحب کے ساتھ دیکھتی تو جیسے اُس کے دل پر برہمچیاں چلنے لگتیں۔۔۔ خُسن آراء کے سامنے صوفی صاحب کو اب دلشاد کہاں نظر آئے والی تھی۔ خُسن آراء کے سامنے کسی بھی مرد کو اپنی عمر رسیدہ پرانی بیوی کہاں نظر آتی ہے چاہے وہ کتنے بھی اونچے اور اچھے خاندان کی ہوتی۔۔۔ دلشاد کو ”حال“ نہیں زلاتا تھا ”مستقبل“ زلا رہا تھا۔۔۔ آنے والے دن اس گھر میں صرف خُسن آراء کے دن ہونے والے تھے۔۔۔ اور انہیں اسی کا خوف تھا۔

دن آہستہ آہستہ گزرنے لگے تھے۔ شروع شروع میں محلے اور خاندان کے کئی لوگ اُن سے افسوس کے لئے آئے۔ پھر آہستہ آہستہ سب کی تعداد کم ہونے لگی۔ خُسن آراء کو جیسے سب نے قبول کر لیا تھا۔۔۔ سوائے دلشاد کے۔۔۔

اب صبح سویرے خُسن آراء صوفی صاحب کو کام پر جانے کے لئے دروازے تک چھوڑنے آتی اور شام کو جیسے ہی اُن کے آنے کا وقت ہوتا وہ سج سنور کر محن میں منڈلانے لگتی۔ اُس کا سنگھار اور خوبصورتی دلشاد کو بُری طرح چبھتی تھی۔۔۔ کچھ بھی کر لیتی وہ نہ تو اپنی جوانی واپس لاسکتی تھیں نہ خوبصورتی میں خُسن آراء کے مقابل آسکتی تھیں۔ صوفی صاحب کی جگہ کوئی بھی مرد ہوتا تو وہ اسی طرح خُسن آراء کے دام

الفاظ کا شکار ہوتا جس طرح صوفی صاحب ہوئے تھے۔

دلشاد اور صوفی صاحب کے درمیان پہلے کی طرح اب بات چیت نہیں ہوتی تھی۔ اگر کوئی بات ہوتی بھی تو گویا خُسن کے بارے میں۔

فرق صوفی صاحب میں نہیں آیا تھا دلشاد کی سوچ میں آ گیا تھا۔ وہ صوفی صاحب کی ہر بات کا غلط مطلب نکالتی تھی۔ ہر بات پر شک کرتی تھی۔ چھوٹی پھوٹی باتوں پر اُن سے الجھ پڑتی تھی۔۔۔ آخر اب اُسے ایک سلیقہ مند وفا شعار اطاعت گزار بیوی بن کر کیا لیتا تھا۔ جس خدشے نے اُس سے یہ سب کچھ کر لیا تھا۔ وہ خدشہ تو اُس کے گھر میں آ کر براجمان ہو گیا تھا۔ پھر اب بھلا اُس کا اور کیا جانا تھا۔

”دلشاد کو ایک اور شکایت پیدا ہوئی۔“

”وہ اُس کا جیب خرچ ہے جو چاہے کرے..... میں نے کبھی تم سے پوچھا کہ تم اپنے جیب خرچ کا کیا کرتی ہو۔“

”میں اُس کی طرح سنگھار کے سامان پر پیسہ برباد نہیں کرتی۔“

”ابھی نیا نیا شوق ہے۔ بعد میں خود ہی سمجھ جائے گی وہ پھر تمہاری طرح وہ بھی بچت کرنے لگے گی۔“

”دلشاد نے غصے میں اُن کی بات کاٹی۔“

اس غلط فہمی میں نہ رہے گا۔ ہر عورت دلشاد نہیں ہوتی۔“

”جانتا ہوں دلشاد ایک ہی ہے..... تم سمجھ لو خُسن آراء بھی ایک ہی ہے۔“

صوفی صاحب مزید کچھ نئے بغیر کرے سے نکل گئے۔ دلشاد کا خون کھولنے لگا۔ یہ پہلی بار نہیں تھا کہ وہ خُسن آراء کی طرف داری کر رہے تھے وہ ہر بات پر خُسن آراء ہی کی طرف داری کرتے تھے۔ پتہ نہیں اُس نے کیا جادو کر دیا تھا اُن پر۔



چند دن اور گزرنے پر دلشاد کو خُسن آراء کے انداز و اطوار بے حد کھلنے لگے۔ وہ گھر میں پازیں پہن کر پھرتی۔ موچے کے گجرے بالوں میں لٹکائے رکھتی..... ہر وقت زیورات پہنے رہتی اور ہر دوسرے چوتھے دن ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگائے بیٹھی ہوتی۔

دلشاد شاید ان سب چیزوں کو نظر انداز کرتی رہتی اگر اُسے یہ محسوس نہ ہونے لگا کہ خُسن..... خُسن آراء میں یک دم بہت زیادہ دلچسپی لینے لگی تھی.....

اُس کا خُسن آراء کے لئے پہلے جیسا غصہ اور نفرت باقی نہیں رہی تھی بلکہ خُسن آراء کے ہر انداز کے لئے اُس کے پاس ستائش تھی اور یہ دلشاد کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

”کس بات سے منع کروں اُسے؟“

”صوفی صاحب کو اُس دن اُس کی شکایت نے حیران کر دیا تھا۔“ آپ کو بتایا ہے میں نے۔ دلشاد بے حد مشتعل تھی۔

”اُس سے کہوں کہ وہ سنگھار نہ کرے؟“

”اس گھر میں جوان بیٹی ہے۔“

”تو وہ بھی تو جوان ہے دلشاد۔“

دلشاد کو صوفی صاحب کی بات کانٹنے کی طرح لگی۔

”ہم پر بھی جوانی آئی تھی ہم تو کبھی گھر میں اس طرح پازیں چمکاتے نہیں پھرے۔“

”ہر انسان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔“

”اور جو وہ سنگھار کے سامان پر دھڑا دھڑا آپ کا روپیہ لگا رہی ہے۔“

”نہیں۔“

دلشاد نے مختصر جواب دیا اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی حسن آراء اندرونی دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی۔

ہوانے بے حد دلچسپی اور تجسس کے ساتھ اس کا سر سے پاؤں تک تنقیدی جائزہ لیا۔ حسن آراء ہمیشہ کی طرح پاس آئی۔

اس نے آداب کیا اور پھر صحن میں لگے مویجے کے پودوں کی طرف چلی گئی۔ ہوانے اس کے ہاتھوں بیروں میں لگی مہندی اس کی پازیبوں اور اس کے انداز و اطوار کو غور سے دیکھا پھر پان پر کھالگاتی ہوئی دلشاد سے آہستہ آواز میں کہا۔

”خاندانی تو نہیں لگتی مجھے۔“

دلشاد نے چونک کر ہوا کو دیکھا۔

”کیا مطلب؟“

”اب اگر میں صوفی صاحب کی شرافت کو نہ جانتی ہوتی تو شاید۔۔۔ پر چلو چھوڑو۔۔۔ ایسی باتیں میں کیوں کروں تم سے؟“

ہوانے بڑے معنی خیز انداز میں مویجے کے پھول اپنے آنچل میں اکٹھے کرتے ہوئی حسن آراء کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کھل کر بات کرو ہوا۔۔۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟“

دلشاد نے یک دم پریشان ہو کر کہا۔

”یہ بات ہے تو سنو۔۔۔ مجھے تو صوفی صاحب کی دوسری بیوی طوائف لگتی ہے۔“

کسی نے دلشاد کے سر پر جیسے کوئی ٹرزدے مارا تھا۔ ”اس نے بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔“

”ہائے۔۔۔ ہائے ہوا۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو؟“

”ارے میں کیا کہہ رہی ہوں۔۔۔ تم خود پوچھ لینا اس سے۔“

”ارے دلشاد یہ میں نے کیا سنا؟“.....

صوفی صاحب نے دوسری شادی کر لی۔ ہوانے گھر میں داخل ہوتے ہی کہنا

شروع کر دیا۔

”ٹھیک سنا ہے آپ نے ہوا۔“

دلشاد نے اُداہی سے کہا۔

”بہنیں کیا کھائیں گی آپ؟“

اس نے انہیں صحن کے تخت پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

”ارے بھاڑ میں جائے کھانا چنا مجھے تو یہ بتاؤ یہ ہوا کیسے؟ ارے میں تو صوفی

صاحب کے گن گاتی تھی۔ ہوانے تجسس آمیز انداز میں کہا۔

”بس ہوا یہ میری قسمت میں تھا۔“

”ہے کون کھوئی؟“

کھوئی تو نہیں ہے ہوا۔۔۔۔۔ ہے تو خوبصورت۔۔۔۔۔ خوبصورتی پر ہی تو مرے

ہوں کے صوفی صاحب۔“

”ارے یہ مہرچی ان کی مرثیے کی ساری عمر انہوں نے آنکھ اٹھا کر تمہارے

علاوہ کسی دوسری عورت کو نہیں دیکھا اور اب دیکھا بھی تو۔۔۔“

”چھوڑو ہوا۔۔۔ بات پرانی ہو گئی۔ دلشاد نے اُداہی سے بات کاٹی

”ارے ہے کون؟ خاندان کیا ہے؟“

”نام حسن آراء ہے۔۔۔ خاندان صوفی صاحب جانتے ہوں گے یا وہ خود

جانتی ہوگی۔“

”کیوں جھپٹیں نہیں بتایا صوفی صاحب نے؟“

یوانے یقین سے کہا۔

اور دلشاد نے دیر نہیں لگائی۔ یوا کے جاتے ہی وہ حسن آراء کے کمرے میں چلی آئی۔

وہ سوچے کے پھولوں کا ہار بناتے ہوئے گنگنا نے میں مصروف تھی۔

”گانا کہاں سے سیکھتا تم نے؟“ دلشاد نے بے حد حیلے انداز میں پوچھا۔

”کہیں سے نہیں۔۔۔۔۔ ویسے ہی گنگنا رہی تھی۔“ حسن آراء نے قدرے گھبرا کر

کہا۔

”شریف گھرانوں کی لڑکیاں اس طرح کے گانے نہیں گنگنا تیں۔۔۔۔۔ تمہارے

اماں اور باوا نے کبھی تمہیں روکا نہیں گانے سے۔“

”آپا آپ کو نرا لگا تو میں نہیں گایا کروں گی۔“ حسن آراء نے بے حد متانت

سے کہا۔

”کہاں سے آئی ہو تم؟“

”مقام سے۔“ حسن آراء نے بے ساختہ کہا۔

”میں خاندان کا پوچھ رہی ہوں۔“ دلشاد نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

”خاندان؟“

حسن آراء بڑبڑاتی یوں جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

”باوا کا کیا نام ہے تمہارا؟ دلشاد نے بغیر رُکے اگلا سوال کیا۔“

”دو مر گئے۔“ حسن آراء نے بے ساختہ کہا۔

”مر گئے مگر کوئی نام تو ہوگا۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ نام۔۔۔۔۔“ حسن آراء مدی طرح ہکھلانے لگی۔

”یہ کون سی پیکلی پوچھ لی میں نے کہ تمہیں جواب ہی نہیں آ رہا۔“

”آفتاب۔۔۔۔۔ آفتاب علی“ حسن آراء نے بلا غر کہا۔

”کیا کرتے تھے؟“ ”میں نے بتایا وہ مر گئے۔“

”حسن لیا میں نے۔ لیکن مرنے سے پہلے کچھ تو کرتے ہوں گے۔“ دلشاد

نے ناراضی سے کہا

”میرے بچپن میں ہی مر گئے۔“

”حسن آراء ایک بار پھر ہکھلائی۔“

”گھر کہاں ہے تمہارا؟“

”گھر۔۔۔۔۔؟“

حسن آراء جیسے مشکل میں پھنس گئی تھی۔

”بہن بھائی کتنے ہیں؟“

”میں اگلی ہوں۔“

”ماں بھی نہیں ہے کیا؟“

”نہیں۔“

”دلشاد کا غصہ اُس کے ہر جواب سے بڑھتا جا رہا تھا یوا کا اندازہ بالکل ٹھیک

لگ رہا تھا۔

”ماں نہیں باپ نہیں۔۔۔۔۔ بہن بھائی نہیں مگر نہیں تو کیا صوفی صاحب کو مسجد

میں ملی تھی؟“

دلشاد نے بے حد طنز یہ انداز میں کہا۔

حسن آراء جواب دیئے بغیر مگر فکر دلشاد کا چہرہ دیکھتی رہی۔

دلشاد شعلہ جوالا بنی خُسن آراء کے کمرے سے نکلی تھی اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سیدھی صوفی صاحب کے پاس منڈی پہنچ جائے۔

خُندہ نے ماں کو بے حد غصے میں صحن میں ٹپکتے دیکھا۔ اُسے حیرت ہوئی آخر آج ایسا کیا ہوا تھا کہ دلشاد کو اتنا غصہ کیوں آیا ہے؟

”کیا ہوا اماں اتنے غصے میں کیوں ہیں؟“

اُس نے دلشاد کے پاس آ کر پوچھا

”غصے میں؟..... میرا تو دل چاہ رہا ہے میں زہر کھا کر مر جاؤں۔“

”خدا بخواتر.....“ خُندہ ہول گئی۔

”آخر ہوا کیا ہے؟“

”تجھے پتہ ہے خُسن آراء کون ہے؟“

”ابا کی دوسری بیوی ہے اور کون ہے۔“

”طوائف ہے۔“

”دلشاد نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔“

”کیا؟“

خُندہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”ساری دنیا کی عورتیں چھوڑ کر تیرے ابا کو ایک طوائف ہی ملی تھی اس مگر میں

لا بٹھانے کو۔“

”آپ کو کس نے بتایا اماں؟“ خُندہ کو ابھی بھی یقین نہیں آیا۔

”اُس کم بخت نے خود بتایا ہے۔“

”ارے نہ بھی بتاتی تو بھی مجھے پتہ چل ہی جاتا..... خاندانی عورتوں اور ایسی

عورتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔“

دلشاد نے دانت چیں کر کہا۔

”پر اماں اب تو آگئی یہاں اب کیا ہو سکتا ہے..... ابا پیادہ کر لائے ہیں اُسے۔“

خُندہ نے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

”ساری عمر میں لوگوں کے سامنے تمہارے ابا کی شرافت کی قسمیں کھاتی

ری..... ارے مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ طوائفوں کے گھسے پر جاتے ہیں۔“

دلشاد آگ بگولہ ہو رہی تھی۔

”اور خبردار تم اُس کے قریب بھی پھکی تو۔“

”میں کہاں اُس کے پاس جاتی ہوں اماں۔“ خُندہ نے احتجاج کیا۔

”جھوٹ مت بولو..... میں نے کئی بار دیکھا ہے تمہاری نظریں ہر وقت اُس پر

لگی رہتی ہیں۔“

”وہ خوبصورت ہی اتنی ہے کہ اماں.....“

دلشاد نے اُس کی بات کاٹ کر اُسے جھڑکا۔ ”اب تو ماں کے سامنے اُس کے

خُسن کے قصیدے پڑھے گی۔ غضب خدا کا جمعہ جمعہ چار دن ہوئے اُس طوائف کو اس

مگر میں آئے اور تمہارے رنگ ڈھنگ بدلنے لگے۔“

دلشاد اب خُندہ کو رگیدنے لگی۔

خُندہ نے بہتر سمجھا کہ وہ اس وقت دلشاد کے سامنے سے ہٹ جائے۔



”کیا ہوا دلشاد؟“

صوفی صاحب کو کمرے میں آتے ہی دلشاد کا چہرہ دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔

”میں کہتی ہوں صوفی صاحب آخر مجھ سے کون سی غلطی کون سا گناہ ہو گیا تھا کہ آپ نے حسن آراء کو اس گھر میں لا بٹھایا؟“

”کیوں کیا ہو گیا؟..... حسن آراء سے کوئی جھگڑا ہو گیا؟“

”میں خاندانی عورت ہوں اور خاندانی عورتیں طوائفوں کے ساتھ منہ ماری نہیں کرتیں۔“

اُس کے جملے پر صوفی صاحب ایک لمبے کے لئے جیسے سناٹے میں آ گئے۔

”طوائف کسے کہہ رہی ہو تم؟“

”اچھی طرح جانتے ہیں آپ کہ اس گھر میں طوائف کون ہے..... ارے صوفی صاحب ہمارے خاندانوں میں شادی پر بھرے کرنے کے لئے طوائفیں بلائی جاتی ہیں..... کوئی انہیں خاندانی بیویوں کے برابر نہیں لا بٹھاتا۔“

صوفی صاحب نے دلشاد کو مزید بات کرنے نہیں دی۔

”اب تمہیں پتہ چل گیا ہے تو اس راز کو پسینہ دین کر دو..... حسن آراء طوائف تھی یا جو بھی تھی..... میں نکاح کر کے اسے اپنی عزت بنا کر اس گھر میں لایا ہوں اور میں دوبارہ اُس کے لئے طوائف کا لفظ برداشت نہیں کروں گا۔“

دلشاد نے اس سے پہلے صوفی صاحب کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ مگر زندگی میں اس سے پہلے اُس نے صوفی صاحب کو اور بھی بہت کچھ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اس انکشاف کے بعد دلشاد کا حسن آراء کے ساتھ رویہ بے حد چٹک آمیز ہو گیا۔

کیا تھا۔ وہ کھانے پکانے میں پہلے جس طرح اُس کی مدد قبول کر لیتی تھی اب یک دم اُس نے حسن آراء کو گھر کے معاملات سے الگ کر دیا تھا۔

اُس دن وہ کپڑے دھو رہی تھی جب حسن آراء نے اُس کے پاس آ کر کہا۔

”لائیں آپا میں دھو دیتی ہوں۔“

”تم کام کاج کی فکر مت کرو تمہیں گھر چلانے کے لئے نہیں لائے صوفی صاحب۔“

دلشاد نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔

”آپا پہلے بھی تو میں ہی دھوتی تھی۔“

حسن آراء نے اُس کے طرز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”پہلے مجھے یہ تھوڑی پتہ تھا کہ تم کہاں سے آئی ہو۔“

”میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں طوائف کہاں بنتی..... میرے ساتھ نکاح کیا ہے صوفی صاحب نے..... کچھ نہ کچھ تو دیکھا ہی ہو گا انہوں نے مجھ میں۔“

”طوائفوں میں کیا دیکھ کر مرد انہیں بیویاں بنا کر لے آتے ہیں یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”میں خاندانی عورت نہ سہی پر بننے کی کوشش تو کر سکتی ہوں۔“

”اگر خاندانی بننا اتنا ہی آسان ہوتا تو ہر دوسری طوائف خاندانی بن کر بیٹھی ہوتی..... ارے بی بی خاندانی عورت مر بھی جائے تو طوائف نہیں بنے گی اور طوائف مر بھی جائے تو بھی خاندانی کبھی نہیں کہلائے گی۔“

حسن آراء کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا مزید ایک لفظ کہے بغیر وہ اٹھ کر چلی گئی۔

دلشاد نے حسن آراء کو یک دم جیسے چھوٹ کی بیماری بنا دیا تھا۔ وہ پہلے بھی حسن کو اُس کے پاس جانے سے روکتی تھی لیکن اب تو وہ حسن پر کڑی نظر رکھتی تھی کہ وہ کہیں بھولے سے بھی حسن آراء کے پاس نہ جائے۔

اس کے باوجود اُسے محسوس ہوتا کہ حسن اکثر اوقات حسن آراء کے آس پاس

منڈلاتی نظر آتی۔ دلشاد کو بے حد طیش آتا۔ آخر وہ پہلے کی طرح حسن آراء سے نفرت کا اظہار کیوں نہیں کرتی تھی۔ اسے ناپسند کیوں نہیں کرتی تھی۔ اس عمر میں باپ کی بی بی نویلی دوسری بیوی میں آخر حسن کو کیا نظر آنے لگا تھا کہ وہ اس کے پاس سے ہنسی ہی نہیں تھی اور دلشاد کو یہ خوف تھا کہ ایک طوائف اس کی خاندانی بیٹی کو کچھ ایسا دیکھا نہ سکھا دے کہ ان کی سالوں کی خاندانی تربیت کا اثر مٹی میں مل جائے۔

حسن کی شادی کی فکر انہیں پہلے بھی تھی مگر اب ایک دم اس میں اضافہ ہو گیا۔ بوا کے چکر بھی ان دنوں ان کے گھر کچھ کم ہو گئے تھے اور خود حسن بھی ایک دم بے حد اداس اور پریشان رہنے لگی تھی۔ اسے گم صم بیٹھا دیکھ کر دلشاد کا دل کٹتا تھا۔ وہ ماں تھیں جانتی تھیں حسن کو کیا غم کھائے جا رہا تھا مگر ان کے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔

اس دن دلشاد پودوں کو پانی دے رہی تھیں جب انہوں نے حسن آراء کو سولہ سنگھار کئے بے حد ناز و ادا سے سیر حیاں چڑھ کر اوپر چھت پر جاتے دیکھا۔ وہ ایک دم چونک گئیں۔ سر اٹھا کر انہوں نے اوپر چھت کی طرف دیکھا اور جیسے ان کو کرنٹ لگ گیا۔ برابر والی چھت پر ہمسائے کا لڑکا اکبر اپنے کبوتروں کو اڑانے میں مصروف تھا۔ دلشاد پودوں کو پانی دیتا بھول گئیں۔ حسن آراء اب چھت پر پہنچ چکی تھی دلشاد کو اور کچھ نہ سوجھا تو وہ ایک دم دبے پاؤں سیر حیاں چڑھ کر خود بھی اوپر پہنچ گئیں مگر سیدھا چھت پر جانے کی بجائے وہ آخری سیزمی پر ہی رک گئیں۔

حسن آراء چھت پر بڑے ناز و ادا سے ٹپکتے ہوئے اکبر کی طرف دیکھ کر مسکراتی رہی۔

اکبر نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور اس کی نظر جیسے حسن آراء سے چپک کر رہ گئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ حسن آراء کو دیکھتا رہا۔

پھر دونوں کے درمیان مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ اکبر اتنی حوصلہ افزائی پا کر یک دم منڈیر کے قریب آ گیا۔
"السلام علیکم"

اس نے بڑے عاشقانہ انداز میں حسن آراء کو سلام کیا۔
"علیکم السلام"۔ حسن آراء نے بھی اسی ناز سے جواب دیا۔
"آپ کا نام جان سکتا ہوں؟"
"حسن آراء۔"

"بے شک یہی نام ہونا چاہیے آپ کا۔"
اکبر نے بے ساختہ کہا۔

"اچھا۔۔۔ اور آپ کا نام کیا ہے؟"
حسن آراء نے بے ساختہ ہنس کر کہا۔
"اکبر۔"

"اکبر بادشاہ۔"

حسن آراء نے جیسے اسے چھیڑا۔
"آپ نے بادشاہ کہہ دیا تو سمجھیں میں بادشاہ ہو گیا۔"
اکبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور میں فقیر کہہ دیتی تو؟"
حسن آراء نے معنی خیز انداز میں کہا۔
"تو فقیر ہو جاتا۔"

اکبر نے بے ساختہ انداز میں کہا۔
"آپ کو پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا حسن کی رشتہ دار ہیں کیا؟"
"ہاں بہت قریبی۔"

"اچھا۔۔۔ کیا ہیں آپ؟"
"ماں۔"

"اکبر نے بے اختیار پان کی پیک تھوکی اور قدرے گھبرا کر کہا۔ "صوفی صاحب کی دوسری بیوی؟"

”ہاں۔“

”صوفی صاحب بھی بڑے خوش قسمت ہیں اس بڑھاپے میں خزانہ ہاتھ لگ گیا اُن کے۔“

میزبوں میں کھڑی دلشاد کا خون کھولنے لگا خُسن آراء اکبر کی بات پر ہنس رہی تھی۔ دلشاد اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکیں۔ صوفی صاحب کو بانٹ لیا تھا انہوں نے مگر اکبر اُن کی اگلوٹی بیٹی کی پسند تھا وہ جانتی تھیں خُسن آراء سے پسند کرتی ہے اور دلشاد خُسن آراء کو اکبر پر کسی قیمت پر بھی ہاتھ صاف نہیں کرنے دے سکتی تھیں۔

”خُسن آراء۔“

وہ یک دم بلند آواز میں پکارتے ہوئے سامنے آ گئیں۔ انہوں نے جان بوجھ کر اکبر کو بھاگنے کا موقع دیا۔

اکبر واقعی اُن کی آواز سن کر گھبرا کر بھاگ گیا تھا۔ گھبرا تو خُسن آراء بھی مٹی تھی۔

وہ اکثر ہی جھپٹ پر آتی تھی ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ دلشاد کبھی اُس کے پیچھے آئی ہو اور اب وہ یک دم بگڑے تیوروں کے ساتھ وہاں کھڑی تھیں۔

”کیا کر رہی تھی تم یہاں؟“

دلشاد نے بے حد طیش میں کہا۔

”کچھ نہیں ایسے ہی آپا..... دل گھبرا گیا تھا تو اوپر آ گئی۔“ خُسن آراء نے

ہٹکاتے ہوئے کہا۔

”یہ شریفوں کا گھر ہے..... خاندانی لوگوں کا..... یہاں یہ بازاری طور پر نہیں چلیں گے۔ ہمارے گھروں کی عورتیں کمروں میں بیٹھتی ہیں..... کمزکیوں جھروکوں اور چھتوں پر لٹکی ہوئی نہیں پھرتیں۔“ دلشاد نے تیز آواز میں اُس سے کہا۔

”آپا میں تو صرف چہل قدمی کے لیے۔“

دلشاد نے خُسن آراء کو بات مکمل کرنے نہ دیا۔

ہو اس لئے ہر وقت کوٹھے کی طرف بھاگتی ہو۔ مگر پھر بھی شریف گھرانوں کی عورتوں کی طرح رہنے کی کوشش کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔

خُسن آراء جواب میں کچھ کہنے کی بجائے یک دم میزبوں سے اتر کر نیچے چلی گئی۔

دلشاد غصے سے پھٹکارتی ہوئی اُس کے پیچھے گئیں۔ انہیں یقین تھا خُسن آراء اب دوبارہ جھپٹ پر آنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ مگر اُن کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔ اگلے ایک دو ہفتوں میں انہوں نے کئی بار خُسن آراء کو اُس وقت جھپٹ پر جاتے دیکھا جب اکبر وہاں ہوتا۔ لیکن پہلی بار کی طرح وہ خُسن آراء اور اکبر کو کبھی اکٹھے پکڑ نہیں سکیں۔ کیونکہ خُسن آراء اب بے حد محتاط ہو گئی تھی۔

دلشاد کے اشتعال میں اضافہ ہوتا گیا اور بالآخر انہوں نے صوفی صاحب سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن صوفی صاحب اُس کی بات سنتے ہی جیسے سے اکھڑ گئے تھے۔ ”تم کس عشق کی بات کر رہی ہو؟“

”ساتھ والوں کے اکبر پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے وہ..... ماں کا گھر تو اجازت دیا اُس نے اب وہ بیٹی کا گھر بسنے سے پہلے ہی تباہ کرنے کے درپے ہے۔ طوائف زادی ہے منہ مارنے سے باز تھوڑی آئے گی۔“

”زبان کو لگام دو دلشاد۔“

صوفی صاحب بے حد طیش میں اُنھ کو کھڑے ہو گئے۔

”میری زبان کو لگام دینے سے بہتر ہے آپ اپنی چھٹی بیوی کے پرکات دیں جو جھپٹ پر سارا دن کیوتری کی طرح غوغا کرتی پھرتی ہے۔“ دلشاد نے ترکی بہ ترکی کہا۔

صوفی صاحب سرخ چہرے کے ساتھ کچھ دیر دلشاد کو دیکھتے رہے پھر یک دم کمرے سے نکل کر خُسن آراء کے پاس چلے آئے۔

”آپ یقین کریں صوفی صاحب آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میرے بارے میں میں چھت پر کبھی کبھار جاتی ضرور ہوں مگر صرف ہوا خوری کے لئے۔“ خُسن آراء نے اُن کے بات کرتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

”مگر وہ کہتی ہے تم۔“ صوفی صاحب اس بار بات کرتے ہوئے بے اختیار جھجکے۔ ”میرا مطلب ہے تم اور ساتھ والوں کا اکبر ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہیں۔“

خُسن آراء نے بے اختیار اپنے گال پیٹے۔ ”میرے خدا صوفی صاحب میں آپ کی مشکوٰۃ ہوں میں ساتھ والوں کے اکبر کے ساتھ۔“ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ میں بھلا جانتی نہیں کیا، کہ وہ اکبر کے ساتھ خُسن کی بات چلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ میں تو بس اسی لئے اگر وہ کبھی چھت پر نظر آئے تو اُس کا حال احوال پوچھ لیتی ہوں۔“

صوفی صاحب کو یک دم خُسن آراء کی بات پر یقین آ گیا۔ ”دلشاد دل کی بُری نہیں ہے بس ذرا جذباتی ہو جاتی ہے تم پھر بھی احتیاط ہی کیا کرو۔ اور چھت پر زیادہ مت جا یا کرو۔“

”جی اچھا میں احتیاط کروں گی۔“ خُسن آراء نے بے حد فرمانبرداری سے کہا۔ صوفی صاحب مطمئن ہو کر کمرے سے چلے گئے۔

دلشاد اور صوفی صاحب کو واقعی دوبارہ کبھی شکایت کا موقع نہیں ملا۔ اور پورے دو ہفتے کے بعد ایک دن بوا بے حد خوشی کے عالم میں ہانچی کا ہنسی دلشاد کے گھر آئی۔

”ارے میرا منہ بیٹھا کرواؤ دلشاد“

بوائے آتے ہی دلشاد سے کہا۔

”کیا ہوا بوا؟۔ کس بات کی مٹھائی؟“

دلشاد نے قدرے حیرانی سے بوا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”بوا کی محنت رنگ لے آئی ہے دلشاد۔“

اکبر میاں کی ماں نے آج مجھے بلوا کر کہا کہ وہ کل خُسن کا ہاتھ مانگنے یہاں آنا چاہتی ہیں۔“

دلشاد کو ایک لمحے کے لئے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ ”کیا کہہ رہی ہو بوا؟“

اس سے پہلے کہ بوا کچھ کہتی خُسن آراء بڑے انداز سے پان چباتے اندر کمرے سے نکل آئی اُس کو دیکھتے ہی دلشاد نے خوشی سے جیسے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

”ارے بوا ذرا اونچی آواز میں یہ خوشی کی خبر سناؤ کہ اکبر کی ماں خُسن کا رشتہ مانگنے یہاں آ رہی ہے۔“

خُسن آراء ان دونوں کی طرف آتے ہوئے چوکی نہنہنکی اور مسکرائی۔ ”مبارک ہو آپ۔“ اُس نے دلشاد سے کہا جس نے اُس کی مبارکباد کو نظر انداز کرتے ہوئے خُسن کو آواز لگائی۔

”ارے خُسن اندر سے جلیبیاں لاؤ بوا کا منہ بیٹھا کروانا ہے۔“ خُسن چند لمحوں میں جلیبیوں کی پلیٹ کے ساتھ باہر تھی۔ یوں جیسے اُس نے پہلے ہی اندر بوا اور دلشاد کی ساری باتیں سن لی ہوں اُس کا چہرہ خوشی سے کھل رہا تھا۔ باہر نکلتے ہوئے خُسن آراء سے اُس کی نظریں ملیں دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں۔

اور دلشاد نے بے حد ناگواری کے ساتھ اس مسکراہٹ کو دیکھا۔

”دیکھا تم خواہوا شک کر رہی تھی حسن آراء پر ایسی کوئی بات ہوتی تو اکبر حسن کے لئے کہاں رشتہ بھجواتا۔“

صوفی صاحب کے شام کو گھر آنے پر دلشاد نے انہیں یہ خبر سنائی تھی اور انہوں نے دلشاد کو مبارکباد دینے کے ساتھ ہی یہ بات کہی۔

دلشاد کو بہت برا لگا۔ ”آپ کو ابھی بھی حسن آراء کی صفائیاں دینے کی پڑی

ہے۔“

”ارے یہ میری دعائیں ہیں جو رنگ لائی ہیں۔“ دلشاد نے بڑے جوش سے

کہا۔ ”پھر بھی تم اس سے معافی مانگ لینا تمہاری باتوں کی وجہ سے میں۔“

دلشاد نے صوفی صاحب کی بات تیزی سے کاٹ دی۔

”ارے اب میں اس عمر میں آپ کی اس چیتھی بیوی کے سامنے جا کر ہاتھ

نہیں جوڑ سکتی۔“

”آپ اُسے منع نہ کرتے تو وہی ہوتا جس کا مجھے خدشہ تھا۔“

دلشاد بے حد غصے سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

اکبر کی ماں نے اگلے دن آ کر نہ صرف حسن کا رشتہ مانگا تھا بلکہ ساتھ ہی

شادی کی تاریخ بھی۔

اُسے جج پر جانا تھا اور وہ جانے سے پہلے پہلے بیٹے کی شادی کر دینا چاہتی

تھیں۔

جس کا مطلب تھا کہ دلشاد کو چند ہفتوں کے اندر اندر حسن کو بیاہ دینا تھا۔

حسن کی شادی جس مشکل سے ہو رہی تھی چند ہفتوں کی بجائے دلشاد کو اگر چند

دنوں کے اندر بھی اُسے بیاہنا پڑتا تو وہ اُسے بیاہ دیتی۔

بڑی دھوم دھام سے حسن کی شادی اکبر کے ساتھ دو ہفتے کے بعد ہو گئی۔

شادی کی تیاریوں میں حسن آراء نے بھی جی جان سے ساتھ دیا تھا۔ دلشاد کو

اس کے انداز سے کہیں یہ نہیں لگا کہ وہ اس شادی سے ناخوش ہے۔ لیکن اس کے باوجود

دلشاد کو اس پر ایک عجیب سا شک تھا۔ وجہ کیا تھی اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

شادی کی ہر رسم میں حسن آراء آگے آگے رہی تھی اور دلشاد کو اس کے اکبر

کے یوں پاس ہونے پر یک دم الجھن اور گھبراہٹ ہونا شروع ہو جاتی۔ اُن دونوں کی

ظہروں کے چادرے میں کچھ ایسا تھا جو دلشاد کو ٹھیک نہیں لگتا تھا۔

شادی کے بعد حسن اکبر کے ساتھ دلشاد کو بے حد خوش اور مگن نظر آتی تھی مگر

اس کے باوجود دلشاد کو تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے ایک بار حسن سے پوچھ ہی لیا۔

”اماں میں بہت خوش ہوں اُن کے ساتھ۔“

”حسن نے شرماتے ہوئے کہا۔“

”اور وہ؟“

”دلشاد نے جیسے بال کی کھال اُتاری۔ وہ بھی۔ آخر وہ کیوں خوش نہیں

ہوں گے میرے ساتھ؟“

حسن نے قدرے چونک کر ماں کو دیکھا۔

دلشاد نے اس موقع پر فصاحت کرنا ضروری سمجھا۔

”دیکھو حسن اپنے میاں پر نظر رکھنا۔ مجھے اچھا نہیں لگتا جب وہ حسن آراء کو

گھورتا ہے۔“

”اماں وہم ہے آپ کو۔۔۔۔۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ یہ شادی اُن کی پسند

سے ہو رہی ہے۔“

حسن بات کرتے ہوئے ایک بار پھر شرمائی۔

”جانتی ہوں پسند سے ہی ہوئی ہوگی ہر مرد خاندانی عورت کو ہی بیوی بنانا چاہتا

ہے۔“

دلشاد نے فخریہ انداز میں کہا۔

”مگر یہ طوائفیں تم ان کے مکرو فریب اور چلتے نہیں جانتیں۔“

”پر اماں وہ لبا کی بیوی ہے اب۔“

حسن نے اس کی حمایت کی۔

اب۔ مگر کب تک..... جو لکھن اس کے ہیں وہ بہت جلد اڑن چھو ہو جائے

کی یہاں سے۔۔۔

بس اپنے میاں پر نظر رکھو تم..... کبھی؟“

”جی اماں۔“

حسن نے مزید کچھ نہیں کہا۔

دلشاد کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اکبر اور حسن آراء واقعی ایک دوسرے سے حد سے

زیادہ بے تکلف تھے۔

اکبر شادی کے بعد اب صوفی صاحب کے گھر تقریباً روز آنے لگا تھا اور حسن

آراء بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کرتی

اور دلشاد سکتی رہتی۔

وہ دونوں زیادہ تر وقت اکٹھے ہی بیٹھے رہتے اور اکبر زیادہ تر صوفی صاحب کی

عدم موجودگی میں ہی آتا۔

دلشاد کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اسے گھر آنے سے کیسے روکے آخر وہ اب

ان کا داماد تھا۔ وہ اسے گھر آنے سے منع کر سکتی تھیں نہ حسن آراء کے پاس بیٹھنے سے۔

لیکن حسن آراء کو منع کیا جاسکتا تھا اور یہ کام انہوں نے ایک دن اکبر کے جانے کے فوراً

بعد کیا۔

”دیکھو حسن آراء اکبر داماد ہے صوفی صاحب کا۔“

حسن آراء ان کا منہ دیکھنے لگی۔

”اور تم بھی اسے ”داماد“ ہی سمجھو۔“

دلشاد نے اسے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”میں داماد ہی سمجھتی ہوں اسے آپا۔“

حسن آراء نے قدرے دھجھے انداز میں کہا۔

”داماد سمجھتی ہو تو پھر اس کے اس پاس اتنا منڈلانے کی ضرورت نہیں ہے

خبردار آئندہ اکبر کے پاس بیٹھ کر چائیں ہانکنے کی کوشش کی تو۔“

حسن آراء کچھ بھی کہنے کی بجائے صحن سے اندر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مگر

اس کی خاموشی نے دلشاد کو مطمئن نہیں کیا۔

اکبر وہ دن کے بعد پھر آیا تھا اور حسن آراء ایک بار پھر پہلے کی طرح اس کے

پاس بیٹھی رہی دلشاد کا خون کھول رہا۔

حسن آراء واقعی ذہین تھی۔ البتہ اس دن اس نے پہلے کی طرح اکبر کی خاطر

مدد نہیں کی۔

اکبر کے لئے شربت بنانے بھی دلشاد کو ہی جانا پڑا اور یہ دلشاد کے لئے زیادہ

پریشانی کی بات تھی وہ ان کے پاس بیٹھی رہتی تو کم از کم ان دونوں پر نظر تو رکھ سکتی

تھیں۔

شربت بناتے ہوئے بھی ان کا سارا دھیان صحن سے آنے والے قہقہوں کی

طرف ہی رہا۔ انہوں نے بالآخر باور چچی خانے کی کمز کی درز سے باہر جھانکا۔

اکبر حسن آراء کو کچھ دے رہا تھا جسے حسن آراء وہ پٹے میں باندھ رہی تھی۔

دلشاد کے جیسے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تو اب نوبت تھی حائف تک آن پہنچی

تھی۔

وہ شربت لے کر باہر چلی آئیں۔ اکبر اور حسن آراء اب بے حد سنجیدہ بیٹھے

ہوئے تھے۔ دلشاد کا دل چاہا۔ حسن آراء کا گھاگھونٹ دے۔

اکبر کے گھر سے جاتے ہی دلشاد نے آکر اکبر انداز میں حسن آراء سے کہا۔

”اکبر نے کیا دیا ہے تمہیں؟“

”میں نے خود اکیس“

خوشی نے تارا فستکی سے ماں کی بات کائی

”کیسی باتیں کرتی ہیں اماں۔۔۔“

اتنا ملک بھی اچھا نہیں ہوتا۔

آخر اکبر کیوں دیں گے یہ انگوٹھی حسن آراء کو.....

اب آپ کہیں ایسی باتیں ابا سے مت کیجیے گا۔۔۔۔۔

”کتنی بے عزتی ہوگی خواجہ خواہ میں آپ کی۔“

مخبر نے جیسے اُسے بتایا تھا کہ صوفی صاحب اُس کی بات پر یقین نہیں کریں

ولہذا کی سمجھ میں نہیں آیا وہ حسد سے کیا کہے۔ انہیں یقین تھا انہوں نے وہ

وہ حسن آراء کو دیتے ہوئے دیکھا تھا اور حسد انہیں یقین دلا رہی تھی کہ ان کی

جوکا ہوا تھا۔ کیا وہ واقعی سٹھیا نے لگی تھیں۔



خُسن آرا گھبرا گئی۔ "مجھے؟"

مجھے تو کچھ بھی نہیں دیا آپا۔

وہ شاد نے مزید کوئی سوال جواب کرنے کی بجائے ایک دم فسن آراء کا دوپٹہ

سختی

نحسن آراء کا رنگ اڑ گیا۔

وہ شاد نے دوڑنے کا بندھا ہوا پلو کھولا اور غصے سے اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

وہ جس کی شادی کی ایک انگوٹھی تھی۔ داماد ان کی بیٹی کا زیور لالا کر سوتیلی ساس کو دے

— 124 —

”کیونکہ نہیں دیا اس نے تمہیں؟“ ولشاؤ نے دانت چمٹے ہوئے حسن آراء سے

”اوہ آیا یہ انگوٹھی تو مجھے یہیں سے ملی ہے۔۔۔۔۔ عھن کی ہے یہ۔۔۔۔۔“

اُس دن آئی تھی تو حمام کے پاس چھوڑ کر چلی گئی۔

میں نے جلو میں مانعہ لی کہ اُسے لوٹا دوں گی۔" - محسن آراء نے بے حد

الحسینان سے کہا۔

دشاہ کا بے نہیں چل رہا تھا کہ وہ حسن آراء کو اٹھا کر اپنے گھر سے باہر پھینک

123

"اچھا۔ کل آئے گی محمد تو پوچھتی ہوں میں اس سے۔"

دلشاد کو یقین تھا کہ خٹ کہہ دے گی کہ اُس کو اس انگوٹھی کا پتہ نہیں ہے۔

لنگر اٹھکے اور وہ اس وقت تک روکا روکئی تھی جب اُن کے سہارا قصہ خانی نے

خدیجہ نے بے حد مہمیان سے انہیں کہا۔

”خمس آراء چک کر رہی ہے اماں۔ انگوٹھی واقعی میں حمام کے پاس بھول گیا ہے۔“

مکرم میں احوالِ ربی تھی دودن سے۔

وہ اُس دن کسی کام سے خُسن کے گھر گئی تھیں۔ انہیں خُسن کو ساتھ لیکر حکیم کے پاس جانا تھا۔ خُسن ماں بننے والی تھی اور ان دنوں اُس کی طبیعت گری گری رہتی تھی۔ اُس کی ماں کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے آجکل یہ ذمہ داری بھی دلشاد کے سر پر ہی آ رہی تھی۔

خُسن کو اُس کے گھر سے ساتھ لیکر نکلتے ہوئے خُسن نے انہیں یاد دلایا کہ اُس کی چادر اُن کے گھر پر رہ گئی تھی۔

دلشاد نے اُس سے کہا کہ وہ اُس چادر کو بعد میں بھجوادے گی مگر خُسن کا اصرار تھا کہ وہ اُسی وقت اُس چادر کو لے گی۔

دلشاد اُسے وہیں ٹھہرا کر جلدی سے گھر واپس آئیں اور کچھ حیران رہ گئیں۔

اُن کے گھر کا بیرونی دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ انہیں بے اختیار غصہ آیا۔ ”کہہ کر آئی تھی میں خُسن آراء سے کہ دروازہ اچھی طرح بند کر لے مگر بحال ہے اُس کے کانوں

جوں بھی رینگے۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر آئیں اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگیں۔

پھر اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے یک دم وہ ٹھٹھک گئیں۔ خُسن آراء کے کمرے

سے ہلکے ہلکے قبضوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک لمحہ کو انہیں شک ہوا کہ شاید

صاحب گھر پر آ گئے تھے۔ مگر صوفی صاحب اُس وقت گھر پر کیسے ہو سکتے تھے۔

اُس دن محلے کی مسجد کی مرمت کروانے کے لئے سارا دن وہیں رُکنے والے تھے۔

دلشاد تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر خُسن آراء کے کمرے کے دروازے

آئیں اور کھلے دروازے کی جھری سے اُس نے اندر جھانکا۔ اُن کے چہروں کے

سے یک دم جیسے زمین ٹکل گئی تھی۔

کمرے میں اکبر خُسن آراء کے ساتھ موجود تھا۔ دونوں بے حد قریب

صوفی پر بیٹھے تھے اور خُسن آراء وقفے وقفے سے اکبر کے کندھے پر سر رکھ رہی تھی۔

ایک لمحے کو دلشاد کا دل چاہا وہ اندر جائے اور خُسن آراء کو بالوں سے پکڑ کر

کھینچتی ہوئی باہر لے آئے مگر دوسرے ہی لمحے ہوش نے جیسے جوش کی جگہ لے لی تھی۔

دبے پاؤں وہاں سے ہٹ کر دلشاد تقریباً بھاگتے ہوئے گھر سے نکلیں اور مسجد

جائیں۔

آج بلا آخر اُس کے پاس خُسن آراء سے جان چھڑانے کا سنہری موقع ہاتھ

آ ہی گیا تھا۔ صوفی صاحب کو اُن کی زبان پر یقین نہیں تھا آج وہ انہیں آنکھوں

دیکھی صرف سنا نہیں دکھا بھی سکتی تھیں۔

صوفی صاحب اس طرح انہیں اچانک مسجد میں دیکھ کر گھبرا گئے تھے اور دلشاد

کے گھر چلنے کے اصرار پر وہ کچھ اور تشویش میں مبتلا ہو گئے۔

مگر دلشاد کے مجبور کرنے پر وہ سوال جواب کرنے کی بجائے اُن کے ساتھ گھر

چل پڑے تھے۔

دلشاد پانچ منٹ کے فاصلہ کو طے کرتے ہوئے دعائیں کرتی رہی تھیں

”کہ اکبر ابھی بھی اُس کے گھر پر ہی ہو اور زندگی میں پہلی بار اُن کی دعائیں

دیکھ لائی تھیں۔“

وہ جب صوفی صاحب کو اپنے ساتھ لے کر خُسن آراء کے کمرے میں پہنچیں تو

اکبر اور خُسن آراء وہیں پر اُسی طرح اٹھکیلیاں کرنے میں مصروف تھے۔

دروازہ یک دم کھلنے پر وہ دونوں ہڑبڑا کر اٹھے تھے۔ قیامت اُن دونوں پر

تھیں ٹوٹی تھی۔ صوفی صاحب کا چہرہ دیکھ کر دلشاد کو لگا جیسے قیامت صوفی صاحب پر ٹوٹ

پڑی ہو۔ اکبر چند لمحے قرقر کا پتہ رہا پھر سر جھکا کر ایک لفظ کہے بغیر خُسن آراء کے کمرے

سے چلا گیا۔

”دیکھ لیا آپ نے۔ یہ تھا وہ جج جسے میری زبان سے سن کر آپ کو کبھی

اتہار نہیں آیا۔“

دلشاد نے بلند آواز میں صوفی صاحب سے کہا۔ جو صرف حسن آراء کو دیکھتے جا رہے تھے۔

”یہی دن دیکھنے کے لئے خاندانی عورت کے سامنے طوائف لائے تھے آپ..... ارے میں نہ کہتی تھی یہ طوائفیں کبھی خاندانی نہیں ہو سکتی..... ارے صوفی صاحب تمہیں لفظ کہہ کر اسے ابھی فارغ کریں۔“

دلشاد نے صوفی صاحب سے کہا حسن آراء نے سر اٹھا کر صوفی صاحب کو نہیں دیکھا۔ سر جھکائے ہوئے کہا۔

”طلاق نہ دیں صوفی صاحب میں ویسے ہی گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہوں۔“
مدھم آواز میں اُس کے جملے نے دلشاد کے تن بدن میں جیسے نئے سرے سے آگ لگا دی۔

”ارے بے شرم بے حیا..... صوفی صاحب کی عزت کو داغدار کرنے والی۔“
تجے صوفی صاحب کا نام چاہیے..... ارے تجھے عزت کا مطلب بھی پتہ ہے۔“
”پتہ ہے آپ..... ایک اسی گھر میں آ کر ہی تو پتہ چلا ہے مجھے۔“
حسن آراء نے اُسی طرح کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

”آپ نے دیدہ دلیری دیکھی اس کی..... میں کہتی ہوں اس کو طلاق دے کر ابھی گھر سے نکال دیں۔“

”آج رہنے دو کل طلاق دے دوں گا..... پھر پہلی جائے گی وہ اس گھر سے۔“

صوفی صاحب نے زنجیدہ اور شکست خوردہ انداز میں کہا۔
”ابھی..... اسی وقت کیوں نہیں؟“

دلشاد نے کہا۔

”شام ہونے والی ہے دلشاد..... سامان سمیٹتے اُس کو دیر لگے گی۔“
صوفی صاحب کہہ کر باہر نکل گئے۔

”ابھی بھی اُس چڑیل کا اتنا خیال..... اتنا احساس..... ارے ابھی بھی اُسے سامان دیں گے..... میرا بس چلے تو اُسے خالی ہاتھ دھکے دے کر یہاں سے نکال دوں۔“

دلشاد بولتے ہوئے غصے میں اُن کے پیچھے گئی۔ مگر صوفی صاحب گھر سے نکل چکے تھے۔



اُس رات دلشاد کئی مہینوں کے بعد پہلی بار چین کی فینڈ سوئی اور اُس رات صوفی صاحب پوری رات نہیں سو سکے۔ انہوں نے جو دیکھا تھا اُس پر اُن کو یقین نہیں آ رہا تھا مگر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔
حسن آراء نے کوئی صفائی کوئی وضاحت پیش نہیں کی تھی پھر وہ کیسے کہتے کہ سب کچھ جھوٹ تھا۔

اُس رات اپنے کمرے میں بیٹھ کر صوفی صاحب نے اتنے مہینوں بعد پہلی بار اُس نیکی کو عذاب سمجھا جسے کرنے کے بعد کئی ماہ سے وہ خود کو زمینی جنت میں محسوس کرتے رہے تھے۔



حسن آراء سے صوفی صاحب کی پہلی ملاقات مسجد میں ہوئی تھی۔ وہ اُس رات عشا کی نماز کے لئے گئے تھے۔ امام صاحب کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے انہوں نے ہی جماعت کی امامت کروائی اور سب نمازیوں کے چلے جانے کے بعد اُس وقت مسجد کو بند کرنے ہی والے تھے جب اپنے عقب میں ایک نسوانی آواز سن کر وہ بے اختیار پلٹے۔

”امام صاحب؟“

وہ برقعے میں ملبوس تھی اور اُس نے نقاب سے اپنا سیاہ چہرہ چھپایا ہوا تھا صرف اُس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں جو بے حد خوبصورت تھیں مگر اس وقت اُن میں

عجیب سی وحشت نظر آرہی تھی۔

”امام نہیں ہوں بی بی۔۔۔“

”لیکن مجھے تو امام صاحب سے ملتا ہے۔“

آپ صبح آجائیں۔

”میری زندگی میں کوئی صبح نہیں ہے۔“

اُس نے عجیب سے لہجے میں اُن سے کہا۔

”پھر آپ امام صاحب کے گھر چلی جائیں میں پتہ سمجھا۔“

اُس نے اُن کی بات کاٹ دی۔

”میں اللہ کے گھر آئی ہوں اب کسی اور کے گھر نہیں جاؤں گی۔ آپ مجھے

مسجد میں بیٹھنے دیں اور امام صاحب کو یہاں بلا لائیں۔“

صوفی صاحب اُس کے مطالبے پر قدرے حیران ہوئے مگر پھر انہوں نے مسجد

کا دروازہ کھول کر اُسے اندر لے جاتے ہوئے بیٹھنے کا کہا۔ وہ خود امام صاحب کو بلانے

کیلئے جانے لگے تو حسن آراء نے اُنہیں روکا۔

”ذرا ٹھہریئے۔“

”جی؟“

صوفی صاحب نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

”حرام موت اچھی ہے یا حرام کی زندگی؟“

وہ حسن آراء کی بات پر ہکا بکا رہ گئے۔

”مجھے آپ کی ہمت سمجھ نہیں آئی۔“

صوفی صاحب نے الجھ کر کہا۔

”پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیں۔ اُس نے اصرار کیا۔“

”دونوں نہیں۔۔۔ کوئی تیسرا راستہ بھی تو ہو سکتا ہے۔“

صوفی صاحب نے سوچ کر کہا۔

”اور اگر نہ ہو تو؟“

اُس نے اسی انداز میں کہا۔

”راستے“ ہوتے“ نہیں“ ڈھونڈنے“ جاتے ہیں۔“

”فرض کریں نہ“ ہو“ نہ ڈھونڈا جاسکتا ہو پھر؟“

”پھر بھی بی بی۔۔۔ میں نہ حرام موت کی حمایت کروں گا نہ حرام کی زندگی

کی۔“

صوفی صاحب نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”آپ کی پریشانی کیا ہے؟۔۔۔ کوئی مالی مسئلہ ہے تو میں مدد کر سکتا ہوں آپ

کی۔ اللہ نے بہت نوازا ہے مجھے۔“

صوفی صاحب نے کہا۔ ”میرے جیسی عورت کو“ مال“ کا مسئلہ نہیں ہوتا۔“

”آپ کے جیسی عورت۔۔۔ اس سے کیا مراد ہے آپ کی؟“

صوفی صاحب اُس کی بات پر الجھے۔

”اگر آپ دہرہ کریں کہ مسجد سے نہیں نکال دیں گے تو بتا دیتی ہوں۔“

حسن آراء نے کہا۔

”میں مسجد سے نکالنے والا کون ہوتا ہوں یہ اللہ کا گھر ہے۔“

”میں طوائف ہوں۔“

اُس نے صوفی صاحب کی بات کاٹ کر کہا اور صوفی صاحب چند لمحوں کے

لئے بول نہیں سکے۔ حسن آراء چند لمحوں کے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر ایک گہرا

سانس لے کر اُس نے کہا۔

”کچھ کہیں گے نہیں۔۔۔؟“

پھر وہ ہکا سا ہنسی

”میں جانتی ہوں بڑے بڑے لوگوں کو اسی طرح سانپ سونگھتے دیکھا ہے اس

نکاح طوائف پر میں نے۔“

”مگر آپ کا مسئلہ کیا ہے؟..... مجھے یقین ہے طوائف ہونا تو مسئلہ نہیں ہے۔“
آپ کا۔“

صوفی صاحب نے ہلکا خرکھا۔

”یہی تو مسئلہ ہے..... کسی سے محبت ہو گئی مجھے..... اُس کے ساتھ میں کئے سے بھاگ گئی..... کوٹھے پر آنے والے مرد ”طوائف“ سمجھ کر سر پر ہٹھاتے تھے مجھے میں ”بیوی“ بن کر کسی مرد کے پیروں میں بیٹھنا چاہتی تھی..... پر اُس لڑکے کو محبت تھی تھی مجھ سے..... میں نکاح خواں کا انتظار کر رہی تھی وہ دلال لے آیا..... میں بھاگ گئی..... ریل کی پٹری پر جان دینا چاہتی تھی راستے میں یہ مسجد دیکھی..... سوچا دجا میر ہر گھر دیکھ لیا اب اللہ کا گھر بھی ایک بار دیکھ لوں۔“

”آپ نے ٹھیک کیا کہ یہاں آ گئیں۔“

صوفی صاحب کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔

”ہم لوگ مدد کریں گے آپ کی۔“

”پر میں یہاں مدد مانگنے نہیں آئی۔“

”حسن آراء نے اُن کی بات کاٹ دی۔“

”پھر؟“

وہ اُلجھے۔

”کوٹھے پر گاؤں ملا۔ محبوب کے گھر پر دھوکہ..... اللہ کے گھر عزت لئے آئے ہوں میں۔ اس محلے میں ہے کوئی جو میرے سر پر عزت کی چادر ڈال دے۔“

صوفی صاحب اُس کی بات پر ایک بار پھر چند لمحوں کے لئے بول نہیں پائے۔
”بی بی دل چھوٹا مت کریں میں اور امام صاحب آپ کے لئے کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے..... آپ میرے گھر چلیں۔ وہاں میری بیوی اور بچی ہیں..... آپ وہاں رہیں۔“

”کس رشتہ سے میں آپ کے ساتھ چلوں؟..... باپ آپ میرے ہیں نہیں۔“

بھائی میں آپ کو بناؤں گی نہیں اور شوہر آپ میرے نہیں کے نہیں۔“ صوفی صاحب اُس کی بات پر چونکے وہ عجیب عورت تھی۔

”نکاح کیوں نہیں کر لیتے آپ میرے ساتھ؟“ اُس نے صوفی صاحب کے سر پر ہاتھ گرزدے مارا۔

”بی بی آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے..... میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔“

صوفی صاحب نے ہڑبڑا کر کہا۔

”میں آپ کو کیا کرنے کو کہہ رہی ہوں..... نکاح کرنے کو..... طوائف کے منہ سے نکاح کی دعوت مذاق لگتی ہے یا گنا۔“
اُس نے ختمیے انداز میں کہا تھا۔

”نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا..... میں ادھیڑ عمر آدمی ہوں..... اپنی جوان بیٹی کا رشتہ ڈھونڈ رہا ہوں..... میں خود شادی کیسے کر سکتا ہوں۔“

صوفی صاحب نے وضاحت کی۔

”میری جگہ کسی اونچے خاندان کی عورت شادی کے لئے کہتی تو بھی انکار کر دیتے؟“

”بات اونچے یا نیچے خاندان کی نہیں ہے بات ضرورت کی ہے..... مجھے دوسری بیوی کی ضرورت نہیں ہے۔“

”صوفی صاحب نے اُسے سمجھایا۔“

”لیکن مجھے تو ایک گھر کی ضرورت ہے۔“

”آپ میرے گھر..... ٹھل کر رہیں..... مہمان کے طور پر جب تک چاہیں۔“

”مہمان نہ بنائیں میزبان بنائیں..... مہمان بہت نیچے ہوں میں۔“

”میرا اور آپ کا جوڑ مناسب نہیں۔“

”جانتی ہوں..... آپ ایک متقی آدمی اور میں ایک گناہ گار عورت۔“

آپ پھر غلط سمجھ رہی ہیں میں اپنی اور آپ کی عمر کے فرق کی بات کر رہا

ہوں۔ صوفی صاحب نے کہا۔

”میری عمر 40 سال ہے۔“

”وہ حسن آراء کی بات پر اُلجھے۔“

”مگر آواز سے تو آپ..... خیر آپ 40 کی بھی ہوں تو بھی بہت فرق ہے

..... میں 60 سال کا ہوں۔“

صوفی صاحب نے کہا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”بی بی میں۔“

حسن آراء نے انہیں بات مکمل کرنے نہیں دی۔

”اللہ کے گھر کھڑے ہیں اللہ کا واسطہ دوں گی تو بھی کیا شادی نہیں کریں

گے۔ میرے ساتھ؟“

حسن آراء کی آواز کی نمی انہوں نے دیکھے بغیر بھی محسوس کی۔ پتہ نہیں صوفی صاحب کس بات سے پیچھے تھے اُس کے آنسوؤں سے یا پھر اللہ کے واسطے سے۔ مگر اگلے ایک گھنٹے میں وہیں مسجد میں چار گواہوں اور امام صاحب کو بلوا کر انہوں نے حسن آراء سے نکاح کر لیا تھا۔

حسن آراء کو پہلی بار انہوں نے اپنے گھر پر تب دیکھا تھا جب اُس نے چہرے سے نقاب ہٹایا تھا۔ صوفی صاحب کو جیسے غش آ گیا تھا۔ اُس نے اُن سے جھوٹ بولا تھا۔ وہ خُشہ کی عمر کی تھی۔ کسی بھی طرح وہ 20-22 سے زیادہ کی نہیں تھی۔ وہ بے حد نادم اور شرمندہ ہوئے تھے مگر یہ شرمندگی اور ندامت صرف انہیں تک محدود تھی۔ حسن آراء اس رشتے سے بے پناہ خوش تھی اور اُسے اس جھوٹ پر کوئی ندامت نہیں تھی۔ اُسے گھر چاہیے تھا اور اُس نے گھر ڈھونڈ لیا تھا۔

وہ تین ماہ اس گھر میں رہی تھی مگر ان تین ماہ میں اُس نے صوفی صاحب کی اتنی خدمت اتنی اطاعت کی تھی کہ ولادت کا 35 سال کا ساتھ کہیں پیچھے چلا گیا تھا۔ صوفی صاحب شروع میں اُس کی کم عمری اور حالات کی وجہ سے اُس کا زیادہ خیال رکھتے تھے مگر

بعد میں اُن کا دل حسن آراء کی طرف کھینچنے لگا تھا۔ وہ بے انتہا خوبصورت تھی نو جوان تھی اور اُس کا ”اخلاق“ کمال کا تھا۔

ولادت اور بچے خاندان کی تھی اور اسے اس بات کا گھمنڈ بھی تھا اور یہ گھمنڈ ولادت بچہ کے طور طریقے میں کہیں نہ کہیں جھلک ہی جاتا تھا۔

حسن آراء کا کوئی خاندان نہیں تھا اور وہ سراپا اطاعت اور فرمانبردار تھی۔ کوئی ”قہر“ کوئی ”دُم“ کوئی گمان“ کوئی ناز..... وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ بس ایک سرشاری تھی۔ ایک ہی اطمینان تھا۔ وہ کوشے سے خاندان میں آ گئی تھی..... اُس نے گھر بنا لیا تھا اور یہ بات وہ صوفی صاحب کو بار بار کہتی..... اتنا ذکر کرتی کہ صوفی صاحب شرمسار ہو جاتے۔



اور اب یک دم کیا ہو گیا تھا..... انہیں آج لگ رہا تھا کہ وہ حسن آراء کے ہاتھوں بے وقوف بنے تھے۔ بہت بُری طرح بے وقوف۔ آخر ایک نو جوان لڑکی ایک بوڑھے مرد میں کس لئے دلچسپی لے گی؟ کیوں اُس کے نکاح میں آنا چاہے گی۔ وہ حسن آراء سے بہت کچھ کہنا چاہتے تھے مگر اُن میں حوصلہ نہیں تھا کہ وہ اُس کا سامنا کر پاتے۔ طلاق کے تین لفظ منہ سے نکالنے کے لئے صوفی صاحب کو بہت زیادہ ہمت چاہیے تھی۔ حسن آراء اُن کے لئے صرف ایک احسان نہیں رہی تھی وہ اُن کے دل میں جگہ بنا بیٹھی تھی۔ اُسے گھر سے نکالنا اُسے دل سے نکالنے سے بہت آسان تھا۔ اور صوفی صاحب کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سا کام پہلے کریں اور کیا اُن میں سے کوئی کام کرنا اُن کے لئے ممکن ہے۔



حسن آراء نے انہیں اس تکلیف سے بچا لیا تھا۔ اگلی صبح خُشہ اکبر کے ساتھ روٹی دھوئی صوفی صاحب کے گھر آئی اور انہیں بتایا کہ پچھلی رات حسن آراء اور اکبر نے گھر سے ہٹاگ جانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اکبر نے حسن آراء کو خُشہ کا سارا زہر لا کر

و سے دیا۔ خُسن آراء نے اُس سے کہا تھا کہ وہ صبح فجر کے وقت چھت پھلانگ کر اکبر کی چھت پر آ جائے گی اور پھر وہ دونوں صبح صبح کسی دوسرے شہر چلے جائیں گے اور وہاں شادی کر لیں گے۔

فجر کے وقت وہ دونوں ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئے۔ خُسن آراء نے اکبر کو کولہ لانے کے لئے بھیجا جب وہ ٹکٹ لے کر آیا تو خُسن آراء اُس جگہ موجود نہیں تھی جہاں وہ اُسے چھوڑ کر گیا تھا اکبر حواس باختہ ہو کر اُسے ڈھونڈتا رہا مگر وہ نہیں ملی اور تب اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوا وہ اُسے بے وقوف بنا کر خود شاید کسی تیسرے کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ اکبر بچھٹاتا ہوا گھر آیا تھا اور اُس نے خُند کو سب کچھ بتاتے ہوئے اُس سے معافی مانگ لی تھی۔ خُند اب اُسے ساتھ لے کر صوفی صاحب سے معافی منگوانے کے لئے آئی تھی۔

دشاد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ منے یا روئے ہے

اکبر اب منہ بھر بھر کر خُسن آراء کی برائیاں کر رہا تھا اور خُند کی تعریفیں کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ صوفی صاحب سے ہاتھ چھوڑ کر معافی مانگ رہا تھا۔ وہ کانٹا جو دشاد اور خُند کی زندگی میں گڑا تھا وہ نکل گیا تھا۔ مگر دوسری طرف خُند کا وہ سارا زہر بھی چلا گیا تھا جو اُسے شادی پر میکے اور سسرال کی طرف سے پہنایا گیا تھا۔

”معاف کر دیں صوفی صاحب اسے۔۔۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اُسے بھولا نہیں کہتے اور پھر غلطی تو آپ کی تھی۔ آپ ایسی عورت کو گھر لائے کیوں جس کی وجہ سے ہماری عزت گئی۔“

دشاد نے صوفی صاحب سے اکبر کی حماقت کرتے ہوئے کہا

صوفی صاحب خاموش ہو رہے کہنے کو اب کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ خُسن آراء اُن کا گھر نہیں اُن کا دل خالی کر گئی تھی مگر انہیں شکوہ اللہ سے تھا۔ انہوں نے اللہ کے گھر اُس کے سر پر عزت کی چادر ڈالی تھی پھر وہ اُن کے گھر کی عزت کیسے لے گئی؟



”ابا کہاں ہیں اماں؟“

خُند نے دشاد سے پوچھا۔ وہ کئی دنوں کے بعد گھر آئی تھی۔ مسجد میں ہوں گے اور کہاں ہوں گے جب سے وہ خرافہ گئی ہے ہر وقت مسجد میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ پر یہ بھی اچھا ہے کہ مسجد میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ پہلے کی طرح کوٹھے پر جاتے تو۔۔۔

”دشاد نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے خُند کے ہاتھ میں پکڑی پوٹلی کو حیرت سے دیکھا۔“

اس پوٹلی میں کیا ہے؟

”میرا زہر ہے۔“ خُند نے مدھم آواز میں کہا۔

”دشاد چوکی۔“

کیسا زہر۔۔۔ تمہارا زہر تو وہ خرافہ لے گئی تھی۔

”اماں گالی مت دیں اُسے۔“ خُند نے اس بار جیسے بے اختیار تڑپ کر کہا۔

”خبردار اب کے حماقت کی اُس کی تو۔“ دشاد کو جیسے آگ لگ گئی۔

”غضب خدا کا یہ سب ہو گیا اور پھر بھی تم نے سبق نہیں سیکھا۔۔۔ اور یہ کون سا زہر ہے جس کی بات کر رہی ہو تم؟“

خُند نے جواب دینے کی بجائے بستر پر پوٹلی الٹ دی۔ دشاد ساکت رہ گئی۔ وہ واقعی خُند کا شادی کا زہر تھا۔

”یہ کیا؟۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کہاں سے آیا؟“

وہ انگلیں

”اپنے کمرے میں یہیں چھوڑ گئی تھی وہ جانے سے پہلے۔“

خُند نے سر جھکائے مدھم آواز میں کہا۔ ”زہر چھوڑ گئی عزت لے گئی۔“

دشاد نے سوپے سمجھے بغیر کہا۔

”خُند زہر لے کر گئی نہ عزت۔۔۔ وہ نہ آتی تو اس گھر کی عزت جاتی۔“

”تو کیا کہہ رہی ہے خُند۔“ دلشاد نے پہلی بار خُند کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی سسک رہی تھی۔ اُن کے دل کو کچھ ہوا۔ آخر بات کیا تھی؟

اور ”بات“ نے اُنہیں ”بات کرنے“ کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

”میرے تعلقات ہو گئے تھے اماں اکبر کے ساتھ۔ ہم لوگ چھت پر تھے۔ میں سوچتی تھی وہ اس طرح رشتہ نہیں بھیج رہا شاید میں اس کی بات مان لوں۔ اسی طرح رشتہ بھیج دے۔ لیکن اکبر کو یہ پتہ چلا کہ میں ماں بننے والی ہوں تو وہ مجھ سے کتڑانے لگا اُس نے چھت پر آنا چھوڑ دیا۔ میں اتنی پریشان تھی کہ ایک دن چوہے اور گولیاں کھا کر مرنے والی تھی جب خُسن آراء نے مجھے بچایا۔

پھر میں نے اُس کو سب کچھ بتا دیا۔ اُس نے مجھے کہا کہ وہ اکبر کو پھانس کر لے سے شادی پر مجبور کرے گی۔ اور اُس نے ایسا ہی کیا۔

پر ہماری شادی ہو جانے کے بعد بھی اکبر خُسن آراء کو اور زیادہ جھگ کر لے لگا تھا۔ پھر خُسن آراء نے مجھ سے کہا کہ وہ ابا کی بیوی ہے اب گناہ نہیں کرے گی اور اگر اُسے یہ دھمکی دے رہا تھا کہ اگر وہ اُس کی بات نہیں مانے گی تو وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ پھر ہم دونوں نے مل کر کھیل کھیلا۔ آپ کو اُس دن میں نے جان بوجھ کر وہاں بھیجا تھا مجھے پتہ تھا آپ ابا کو لے کر آ جائیں گی۔

خُسن آراء کو ڈر تھا ابا اُسے طلاق دے دیں گے تو اکبر اُس کے پیچھے آئے اور شاید مجھے بھی طلاق دے دے۔ اس لئے اُس نے اکبر کے ساتھ یہ دھوکہ کیا کہ وہ اُس سے نفرت کرنے لگے اور اُسے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرے بلکہ میرے ساتھ رہنے رہے۔

خُند نے سب کچھ بتانے کے بعد سسکیاں لیتے ہوئے سر اٹھا کر دلشاد کو دیکھا جس نے اب تک ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

وہ پتھر کے بُست کی طرح بیٹھی تھی۔ اُس کے ہونے والے بچے کے

موزے بچنے والی سلاٹیاں اُس کے ہاتھوں سے گر چکی تھیں۔ اور اس کے ساتھ ہی خاندانی نجابت پر اُن کا فخر اور غرور بھی۔

مات ہوئی بھی تھی تو کس کے ہاتھوں۔ ”خاندانی عورت“ جیسے منہ کے بل گر چکی تھی۔

”اُس نے۔۔۔ اُس نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟“ خُند کو دلشاد کی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

”پوچھا تھا میں نے۔۔۔“

وہ کہتی تھی ابا کا کوئی احسان تھا اُس کے سر پر۔۔۔ وہ احسان اُتارنا نہیں چاہتی۔۔۔ پر احسان کرنا ضرور چاہتی ہے۔

دلشاد زرد چہرے کے ساتھ اپنی اس اگھوٹی اولاد کا چہرہ دیکھتی رہی۔ جسے اُس نے خاندانی شرافت و نجابت کی گھٹی دے کر پالا تھا اور جس نے اُن کے منہ پر کالک مل دی تھی۔ وہ خُند سے کیا کہتی۔ وہ خُسن آراء سے بھی کیا کہتیں۔ یہ کہ وہ ”طوائف“ کے بھیس میں ”خاندانی“ نکلی جو صوفی صاحب اور دلشاد کی عزت پر پردہ ڈال کر پُچپ چاپ اُن کی زندگی سے چلی گئی تھی۔

بمِثل اپنے بیروں پر زور ڈالتے ہوئے وہ پنگ سے اُٹھی تھیں۔

”اماں۔۔۔ اماں۔۔۔“

خُند نے بے تاب ہو کر اُنہیں پکارا۔ دلشاد نے پلٹ کر اُسے نہیں دیکھا۔ اُنہیں اس وقت اپنی بیٹی۔۔۔ ”اپنی“ نہیں لگ رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھول کر انہوں نے باہر جانے کے لئے قدم بڑھایا اور مل نہیں سکیں۔ صوفی صاحب سامنے کھڑے تھے پتہ نہیں وہ کب آئے تھے مگر اُن کے چہرے اور آنکھوں کی رنجیدگی نے دلشاد کو بتا دیا تھا کہ کوئی بھید اب بھید نہیں رہا تھا۔ بہت دیر تک دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہے پھر دلشاد نے لڑکھڑائی زبان میں کہا۔

”اُس پر آپ نے کیا احسان کیا تھا صوفی صاحب؟“

صوفی صاحب بہت دیر دلشاد کو دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا۔
 ”یہی تو یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ میں نے اُس پر کیا احسان کیا تھا؟
 احسان کیا بھی تھا کہ..... صوفی صاحب بات مکمل نہیں کر سکے۔ دلشاد اپنے دوپٹے سے
 منہ ڈھانپ کر یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔“



THE
end

THE
end

THE
end